بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۰ ماہِ جولائی ۲۰۱۲ء مطابق شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ شمارہ نمبر ۷

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۳
۲	محفلِ قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۱۰
۳	رزق کے دروازے	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۱۸
۴	دین کے تمام خدمت گزاروں کی خدمت میں	حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندویؒ	۳۵
۵	اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے اور اتباع سنت کی طرف بھی توجہ دیں	مولانا سید محمد طلحہ قاسمی	۴۱

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے ۔ منیجر

ضروری اعلان

درج ذیل مقامات میں الفرقان کی توسیع اشاعت کی ذمہ داری جن حضرات نے قبول کی ہے ان کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں۔ ان مقامات اور قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱- بیڑ (مہاراشٹر)	قاسمی بکڈپو	(0)9960070028
۲- مالیگاؤں	مولانا حسنین محفوظ	(0)9226876589
۳ - بیلگام	مولانا تنویر صاحب	(0)9880482120
۴- بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	(0)9898610513

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان　　عمومی 180 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان　　خصوصی خریداران 400 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان (وی پی سادہ)　　210 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے پاکستان، پاکستان میں -/1200 ہندوستان میں -/750 روپے
☆ بیرونی ممالک بذریعہ ہوائی جہاز　　-/20 پاؤنڈ -/40 ڈالر　خصوصی خریداران -/30£

لائف ممبر شپ فیس: ہندوستان -/5000 روپے، بیرونی ممالک 500 پاؤنڈ 1000 ڈالر

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD, LONDON N4 3DW (U.K) ,Fax & Phone : 020 72721352

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ادارہ اصلاح وتبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور۔ (فون: 7663896 - 7655012)

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ - 226018

فون نمبر: 0522-4079758　　e-mail : alfurqan_lko@yahoo.com

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر وپبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اوّلیں

مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

مرحبا! ماہِ شعبان، مرحبا!

آج جب کہ یہ راقم سطور یہ سطریں لکھ رہا ہے، ماہِ رجب کے دو عشرے گذر چکے ہیں، اور یہ شمارہ جب تک تیار ہو کر آپ تک پہونچے گا، شعبان کے مہینے کا پہلا عشرہ پورا ہو چکا ہوگا، یا ہونے والا ہوگا، —— باشعور اور باخبر اہل ایمان رجب ہی کے مہینے سے رمضان المبارک کی تیّاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ اور ماہ شعبان میں ذکر و تلاوت اور نفلی نمازوں، روزوں اور دعا کا اہتمام، اپنے پیارے نبی ﷺ کے معمول سے اشارہ پا کر، بڑھا دیتے ہیں۔ یہ ناچیز بھی اِن سطروں کے ذریعہ خود اپنے کو اور اپنے محترم قارئین کو اِسی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہے۔

احادیث و روایت کا جائزہ لینے سے یہ بات تو یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ ماہِ شعبان میں جتنی کثرت سے آنحضرت ﷺ نفلی روزے رکھتے تھے، اتنی کثرت سے نفلی روزے کسی اور مہینے میں نہیں رکھتے تھے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ''میں نے نہیں دیکھا کہ آپ (ﷺ) کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں''۔ اور بقول صاحب معارف الحدیث ''اِسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ شعبان کے (قریباً) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے''۔ انہوں نے اس کی اُن حکمتوں کا بیان کرتے ہوئے جن کی طرف خود بعض احادیث سے اشارہ ملتا ہے، لکھا ہے:

> حضرت اسامہ بن زیدؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول ﷺ سے اِسکے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ: اسی مہینے میں بارگاہِ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ شعبان میں بہت زیادہ روزے اِس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اِسی ماہ میں ملک الموت کے حوالے کی جاتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جارہے ہوں تو اُس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اسکے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوگا۔ اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ اور اسی طرح رمضان کے بعد شوّال میں چھ ۶ نفلی روزوں کی تعلیم وترغیب۔۔۔۔۔۔۔کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے ——

(معارف الحدیث ج ۴ ص ۱۵۵)

اسی طرح متعدد احادیث وروایات سے یہ بات بھی نا قابل انکار طور پر معلوم ہوتی ہے کہ شعبان کے مہینے کی پندرہویں رات اور دن کی بھی کچھ نرالی شان ہے، نیز اِس رات میں تنہائی میں دعا ومناجات اور سجدہ وعبادت کی اور دِن کے روزے کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پوری رات جس انداز سے گذاری اور جس انداز سے سجدے میں گر گر کر اور عجیب وغریب درد بھرے انداز سے آپ نے اپنے رب سے دعا ومناجات کی، اس سے یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ کوئی خاص بات اِس رات میں ضرور موجود ہے۔ اور ہم بے علم وعمل لوگ چاہے اُس ''خاص بات'' کا ادراک نہ کر پائیں، تاہم ہمیں اُس رات میں توبہ واستغفار، ذکر وتلاوت اور دعا ومناجات کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ضرور کرنا چاہیئے۔ ذرا اِن الفاظ پر اور اِن کے اندر چھپے ہوئے درد اور عبدیت کی اُس کیفیت کو محسوس کرنے کی کوشش کیجئے جو اُس رات میں آپؐ نے اپنے رب کے حضور میں سجدے میں گر کر پیش کیے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ، وَ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ، وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْھُکَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ، اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

(اے اللہ! میں سوالی ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہوکر مجھے اپنی ناراضگی سے بچالیں، اور مجھے معاف کر کے مجھے اپنی سزا سے بچالیں، اور آپ خود ہی اپنے (ہی جلال) سے مجھے اپنی امان میں لے لیں! میں آپ کے حق کے مطابق آپ کی حمد وثنا نہیں کرسکتا، آپ تو ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے خود اپنا تعارف کرایا ہے۔)

یاد رہے کہ دعا کے یہ الفاظ جس روایت میں نقل ہوئے ہیں وہ صحیح مسلم میں بھی ہیں، اور بعض روایات میں یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہ الفاظ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو یہ کہتے ہوئے سکھائے تھے کہ ''عائشہ! اس دعا کو یاد کرلو اور دوسروں کو بھی سکھادو! مجھے یہ دعا حضرت جبرئیلؑ نے سکھائی ہے اور یہ کہا ہے کہ میں اسے سجدے میں بار بار دہراؤں'' —— نیز سنن بیہقی کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ نے سجدے میں اس دعا کے بعد یہ الفاظ بھی کہے تھے کہ:

اَعْفِرُ وَجْهِي فِي التُّرَابِ لِسَيِّدِيْ وَحُقَّ لَهٗ اَنْ يُسْجَد

(میں اپنا چہرہ خاک میں ملاتا ہوں اپنے مالک کے سامنے، اور اُسکی یہی شان ہے کہ اُسے سجدے کیئے جائیں)

بعض روایات کے مطابق اُس رات میں آپ ﷺ نے اِن الفاظ میں بھی دُعا مانگی تھی:

سَجَدَ لَکَ خِيَالِي وَ سَوَادِي، وَ اٰمَنَ بِکَ فُؤَادِي، فَهٰذِهٖ يَدِيْ وَمَا جَنَيْتُ بِهَا عَلٰى نَفْسِيْ، يَا عَظِيْمُ يُرْجٰى لِكُلِّ عَظِيْمٍ، يَا عَظِيْمُ اغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيْمَ، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ۔

(بارِالٰہا! میرا دِل و دماغ اور میری پوری ہستی آپ کے قدموں پر پڑی ہوئی ہے، میرا دِل آپ پر یقین سے معمور ہے، اور یہ میرے دست و بازو اُن تمام گناہوں کے ساتھ حاضر ہیں جو میں نے اُن کو استعمال کر کے کیئے ہیں، اے سب سے بڑے! ہر بڑے معاملے میں آپ ہی کی طرف نگاہ اُٹھتی ہے، اے عظیم المرتبت! میرے بڑے بڑے گناہوں کو (بھی) بخش دے، میری ذات اُس ہستی کے سامنے سجدہ ریز ہے جس نے اُسے پیدا کیا، اور جس نے اُسے سُننے اور دیکھنے کی صلاحیت بخشی۔)

ہزاروں سلام ہوں اُن تمام محسنین پر جنہوں نے محبوب رب العالمین ﷺ کے تنہائی کے یہ معمولات ہم عام امتیوں تک پہونچادیئے، اور اُن کی طرف سے یہ بھی بتادیا کہ اُس عظیم رات میں اللہ کی رحمت ومغفرت میں سے حصہ پانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے سے گناہوں والی زندگی کو چھوڑ دیا

جائے، ورنہ اُس رات بھی محرومی ہی رہے گی۔

بس خدارا دیر نہ کریں۔ وقت کم ہے، توبہ کریں، اہل حقوق سے معافی تلافی کریں اور نیک اعمال کی طرف توجہ بڑھا دیں۔ کون جانے کہ اِس شعبان میں ہمارے بارے میں کس طرح کے احکامات فرشتوں کے حوالے کئے جانے والے ہیں؟؟ ——— اور اِن سطروں کے لکھنے والے بندۂ عاصی ومحتاج کو بھی اپنی دعاؤں میں نہ بھولیں۔ اللہ آپ سب کا بھلا کرے !!!!

(۲)

مدیر الفرقان کی ایک غلطی کے سلسلے میں ایک محترم شخصیت کی تنبیہ

[الفرقان: جون 2012 کے شمارے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بمبئی میں منعقد ہونے والے اجلاس عام میں کی گئی اس بندۂ ناچیز کی تقریر شائع کی گئی تھی، اس میں ایک واقعہ کے بیان میں مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، یہ راقم محترم جناب مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب مدظلہ کا بہت ممنون ہے کہ انہوں نے ایک خط کے ذریعہ مجھے متنبہ کیا، مولانا کی اس عنایت کے لئے یہ عاجز دِل کی گہرائیوں سے اُن کا شکر گذار ہے —— قارئین کرام مولانا کا وہ مکتوب ملاحظہ فرمائیں —— مدیر]

امید ہے کہ مزاجِ عالی بخیر ہوں گے!

الفرقان کا تازہ شمارہ جون ۲۰۱۲ء موصول ہوا، اس میں صفحہ ۸ / پر آنجناب کا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے حالیہ اجلاس منعقدہ ''آزاد میدان'' ممبئی کا خطاب عام شائع ہوا ہے، اس خطاب میں ایک تاریخی واقعہ

کے حوالہ سے آپ کی گفتگو دیکھ کر احقر حیرت زدہ ہے، آنجناب نے سہارنپور کے مشہور زمانہ ''کچے گھر'' کی یاد دلاتے ہوئے اکابر ثلاثہ (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہم اللہ) کے ساتھ ساتھ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کو بھی اس مشورہ میں شامل مان کر آگے یہ جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اس عہد ساز مشورہ میں شریک بظاہر عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹے مگر سب کے چہیتے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اپنا یہ فیصلہ اپنے بڑوں کو سنایا کہ آپ حضرات اپنے بارے میں چاہے جو فیصلہ کریں، میں تو اس ملک کو کفر وظلم کے ہاتھ میں چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں ہوں''۔ (الفرقان جون ۲۰۱۲ء)

آنجناب کے اس بیان کے برخلاف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ''آپ بیتی'' میں جہاں یہ واقعہ نقل کیا ہے، اس میں ایک بات تو یہ صاف ہے کہ اس مشورہ میں اس وقت حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ شریک نہیں تھے، دوسرے یہ کہ جو جملہ آنجناب نے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف منسوب کیا ہے، حضرت شیخ نے اس مجلس کی روداد لکھتے ہوئے اسی جیسے الفاظ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی طرف منسوب فرمائے ہیں، یاد دہانی کے لئے آپ بیتی سے اس واقعہ کی پوری روداد ذیل میں نقل کی جارہی ہے:

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ: ''اور بعد مغرب کچے گھر میں یہ سیہ کار اور دونوں اکابر مشورہ کے لئے جمع ہوئے، اور اس کی ابتداء حضرت رائے پوریؒ نے اس عنوان سے کی کہ حضرت! (خطاب حضرت مدنی کو تھا) اپنے سے تعلق رکھنے والے تو سارے مشرقی اور مغربی پنجاب کے تھے، اور حضرت قدس سرہٗ (اعلیٰ حضرت رائے پوریؒ) کے متعلقین بھی زیادہ تر انہیں دو جگہ کے تھے، مشرقی تو سارا مغربی کی طرف منتقل ہوگیا، ان سب حضرات کا بہت اصرار ہوتا ہے کہ میں بھی پاکستان چلا جاؤں۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب بھی حضرت اقدس رائے پوری کو پاکی مسلمانوں کی ضرورتوں کا بار بار احساس دلاتے تھے، اور خود اپنا جانا بھی حضرت رائے پوریؒ کی تشریف بری پر محول کئے ہوئے تھے، اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ میرا تو مکان بھی مغربی میں ہے، اور ان سب مظلومین کی دل داری بھی اسی میں ہے، شروع رمضان ہی سے اس کا اصرار ہو رہا ہے، مگر آپ دونوں کے مشورہ پر میں نے معلق کر رکھا ہے، یہاں تو پھر بھی اللہ کے فضل سے اہل اللہ ہیں، مگر وہاں اللہ اللہ کرنے والوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا، کچھ شہید ہوگئے، کچھ اجڑ گئے،

اور تقریباً حضرت کی گفتگو کا رخ یہ تھا کہ وہاں قیام ضروری ہے۔

اس سب کو سن کر حضرت مدنیؒ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ: ''ہماری اسکیم تو فیل ہوگئی، ورنہ نہ تو یہ قتل وغارت ہوتا اور نہ یہ تبادلۂ آبادی ہوتا''۔ حضرت مدنیؒ کا فارمولہ یہ تھا کہ صوبے سب آزاد ہوں، داخلی امور میں سب خود مختار، خارجی امور فوج، ڈاک خانہ وغیرہ سب مرکز کے تحت، مرکز میں ہندو مسلم سب برابر ہوں گے، ۴۵-۴۵، اور ۱۰/ جملہ اقلیتیں۔ گاندھی جی نے تو اس کو منظور کر لیا تھا، مگر مسٹر جناح نے اس کا انکار کر دیا، حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: ''اگر ہماری تجویز مان لیتے تو نہ کشت وخون کی نوبت آتی اور نہ تبادلۂ آبادی کی، اب میں تو کسی کو جانے سے نہیں روکتا، اگرچہ میرا وطن مدینہ ہے، اور محمود وہاں بلانے پر اصرار بھی کر رہا ہے، مگر ہندوستانی مسلمانوں کو اس بے سروسامانی اور دہشت اور قتل وغارت گری میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا، اور جسے اپنی جان ومال، عزت وآبرو، دین اور دنیا یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو وہ یہاں ٹھہرے، اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جائے''۔ حضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر میں جلدی سے بول پڑا کہ: ''میں تو حضرت ہی کے ساتھ ہوں''۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ نے فرمایا کہ: ''تم دونوں کو چھوڑ کر میرا جانا بھی مشکل ہے''، میں نے تو اس گفتگو کو کسی سے نقل نہیں کیا، اور توقع ان حضرات سے بھی معلوم نہیں ہوتی؛ لیکن عشاء کی نماز پڑھتے ہی عمومی شور ہر شخص کی زبان پر سنا کہ اکابر ثلاثہ کا فیصلہ یہاں رہنے کا ہو گیا ہے، اور پھر انہی دونوں بزرگوں کی برکت تھی اور اصل تو اللہ ہی کا انعام واحسان تھا کہ ایک دن پہلے تک جو لوگ تشویش میں تھے وہ اگلے دن اطمینان کی سی باتیں کر رہے تھے''۔ (آپ بیتی حصہ ۵/۲۱-۲۲، مطبوعہ مکتبہ شیخ زکریا سہارنپور)

اب احقر حیرت میں ہے کہ آنجناب کے بیان پر یقین کرے یا حضرت شیخؒ کی تحریر کو درست مانے؟ اس لئے بصد معذرت گذارش ہے کہ اگر بیان میں سہو ہوا ہو تو اس کی برملا تصحیح فرمائی جائے [1]، اور اگر حضرت شیخؒ کی تحریر کے مقابلہ میں جنابِ والا کے پاس کوئی اور ثقہ اور معتبر روایت ہو تو اس کو سامنے لا کر ہم جیسے طالب علموں کو مطمئن کیا جائے۔

آنجناب ماشاء اللہ دعوت واصلاح، سلوک ومعرفت کے اعتبار سے بھی ممتاز منصب پر فائز ہیں،

---

[1] صراحۃً اعتراف ہے کہ واقعہ کے بیان میں ناچیز مدیر الفرقان سے غلطی ہوئی ہے۔ صحیح وہی ہے جو فاضل مکتوب نگار نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی تحریر کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔

اور آپ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی باتیں سند کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لئے آپ جیسے حضرات کو واقعات کے بیان میں احتیاط سے کام لینا زیادہ ضروری ہے۔

مذکورہ واقعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے معروف اور مضبوط نظریہ کو نظر انداز کر کے یا بالالفاظ دیگر اس موقف کو اپنا مقام نہ دے ۲؎ کر داعی الی اللہ حضرت جی حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو کلیدی حیثیت سے ذکر کرنے میں کہیں دانستہ یا نادانستہ طور پر جماعتِ دعوت وتبلیغ سے وابستہ حضرات کی توجہات اپنی طرف متوجہ کرنے کا جذبہ تو کارفرما نہیں ہے؟ اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے ۳؎؛ کیوں کہ ایسے لاکھوں کے مجمع میں ہر طرح کی فکر اور نظریہ رکھنے والے لوگ ہو سکتے ہیں۔ ہماری خواہش ہوگی کہ آپ جیسی معتبر شخصیت ہر طرح کے نازیبا تبصرہ سے محفوظ رہے۔

گستاخی پر معذرت خواہ ہوں، اور دعاؤں کا خواستگار رہوں۔

فقط والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

مرتب: ندائے شاہی مراد آباد

۱۴/۷/۱۴۳۳ھ

۲؎ حاشا وکلا! ہندوستانی مسلمانوں کے قدموں کے جمانے کے سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے کلیدی کردار کو نظر انداز کرنے یا اس کو اپنا مقام نہ دینے کا کوئی واہمہ بھی اس احقر کے دل ودماغ میں نہیں آسکتا جو اس عظیم شخصیت کا ایک خاندانی غلام ہے، اور اسے اس پر فخر ہے یہ بس ایک سہو ہے، اور میری جہالت کا ایک اور ثبوت!

۳؎ الحمدللہ کہ ایسا کوئی خیال بھی اس عاجز کے دل ودماغ میں نہیں تھا! تاہم یہ عاجز برادر محترم جناب مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہٗ کی اس تنبیہ پر نہایت ممنون ہے اور امید کرتا ہے کہ وہ اسی طرح بندہ کی نیت یا قول وعمل کی خرابیوں اور غلطیوں کی اصلاح فرماتے رہیں گے کہ یہ اپنے بڑوں کی نگرانی وتوجہ کا بہت ہی محتاج ہے جزاہم اللہ خیراً

محفل (۱۱۷) سورۃ النساء (۲۲)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہ

عزت وقوّت کا حقیقی سرچشمہ اللہ کی ذاتِ عالی ہے

مگر منافق اُسے دشمنانِ حق کی ہم نشینی میں ڈھونڈتے ہیں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۚ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖۚ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ

اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے نازل فرمائی اپنے رسول پر، اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی اس سے پہلے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اس کے ملائکہ کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یومِ آخرت کا تو وہ جا پڑا ہے بہت دور گمراہی میں (۱۳۶) وہ لوگ کہ جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے اور کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ نہیں ان کی مغفرت فرمانے والا ہے نہ ہی ان کو راہ دکھانے والا (۱۳۷) بشارت دو (اے نبی) اِن منافقوں کو کہ ان کے واسطے عذاب ہے دردناک (۱۳۸) یہ وہ کہ جو کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا یہ اُن کے پاس عزت کی تلاش میں ہیں؟ سو عزت تو تمام تر اللہ کے لئے ہے (۱۳۹) اور وہ تم پر نازل کردہ کتاب میں فرما چکا ہے کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور تمسخر کیا جاتا، تو مت ان کافروں کے پاس بیٹھے رہو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں، ورنہ تم بھی انھیں کے جیسے ٹھیرو گے۔ اللہ بے شک ان منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے (۱۴۰) یہ وہ کہ تم پر مصائب کی آس لگائے رکھتے ہیں۔ پھر اگر فتح تمھیں اللہ کی دَین سے مل گئی تو کہیں گے کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر پالی کافروں کے ہاتھ رہی تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے (مگر) پھر ہم نے تمھیں مؤمنین سے بچا لیا۔ پس اللہ فیصلہ ان کا کرے گا قیامت کے دن۔ اور اللہ ہرگز نہیں کافروں کو (غلبے کی) راہ مسلمانوں پر دے گا۔ (۱۴۱)

ربطِ کلام

اس سورۂ نساء میں مسلمانوں کی معاشرتی تنظیم و تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ فرمائی گئی ہے۔ اور معاشرے میں جو منافق تھے کہلاتے وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی تھے، پر احکام و نصائح کا نزول ان کی بدنصیبی سے ان پر بہت شاق ہوتا تھا، کہ اس سے ان کا امتحان اور ان کی آزمائش بڑھتی اور ان کے پردے اُٹھتے تھے۔ لہٰذا اس سورہ کے نئے احکام ان پر بھاری ہونے کا ضرور کچھ نہ کچھ اظہار ہو کر رہنا

تھا۔ان کے اس حال کی طرف صاف اشارے بھی قرآن میں آئے ہوئے ہیں۔مثلاً سورۂ توبہ آیت ۱۲۴ میں آتا ہے:

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۱۲۴﴾
وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾

جب کوئی ٹکڑا قرآن کا نازل ہوتا ہے تو ان میں بعض وہ ہیں جو کہنے لگتے ہیں: تم میں سے کس کے ایمان میں اس سے اضافہ ہوا؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان میں تو اس سے اضافہ ہوتا ہے اور وہ مسرور ہوتے ہیں۔ پر وہ کہ جن کے دلوں میں روگ ہے، ان کے لئے یہ آیات ان کی گندگی میں کچھ تھوڑی اور گندگی کا اضافہ کر دیتی ہیں۔

سو ان کا یہ حال کسی کمزور (لیکن مخلص) مسلمان کو بھی متأثر کر سکتا تھا، بلکہ وہ تو رہتے ہی اس کوشش میں تھے کہ ان کا حلقہ بڑھے۔ بظاہر اسی صورت حال کے تقاضے سے اب سورہ کے اختتام پر منافقین کے معاملے کی طرف ایک بار پھر توجہ فرمائی جا رہی ہے۔ تاکہ ان میں سے جس میں باز آنے کی صلاحیت ہو وہ نصیحت پکڑے ورنہ مسلمان تو زیادہ محتاط ہو ہی جائیں اور جن کے دلوں میں ذاتی تعلقات کی وجہ سے ان کے لئے نرم گوشہ ہو وہ اس نرمی سے باز آئیں۔

انسان کے مؤمن اور غیر مؤمن ہونے کا معیار

سلسلۂ کلام کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا------- (اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے نازل فرمائی اپنے رسول پر اور-----الخ)۔ ''ایمان والے'' تو ظاہر ہے وہی تھے جو ان سب چیزوں پر ایمان لائے ہوئے تھے، اور گزشتہ سورتوں میں یہ تعلیم گزر بھی چکی ہے اور مؤمنین کا اس پر عمل بھی (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔ البقرہ) تو اس ارشاد کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اہلِ ایمان کو ایمانیات کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ بلکہ آگے کے جملے پر نظر کرنے سے، جو ''وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ'' سے شروع ہوا ہے، معلوم ہو جاتا ہے کہ مقصدِ کلام دراصل سچے اہلِ ایمان اور منافقین کے درمیان بہت واضح لکیر کھینچنا ہے۔ پس بتایا یہ جا رہا ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ خود کو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں شمار کرانے سے کوئی مؤمن نہیں ہو جاتا بلکہ واقعہ میں مؤمن ہونے کے لئے ضرورت ہے کہ

وہ اللہ پر (یعنی اس کی ربوبیت، لاشریک معبودیت وحاکمیت پر) ایمان لائے، اس کے رسول ﷺ پر (یعنی آپ کی رسالت اور آپ کے بے چون وچرا حقِ اطاعت پر) ایمان لائے، اس کی نازل کردہ کتاب قرآن پر (یعنی اس کے سراپا حق وہدایت ہونے پر) ایمان لائے اور اس کی نازل کردہ اُن کتابوں پر بھی ایمان لائے جو پہلے نازل کی گئیں۔ اور وہ کہ جس کا حال ان چیزوں کے بارے میں اس کے برعکس، ایمان کا نہیں بلکہ کفر وانکار کا ہے، اسے معلوم ہونا چاہئے، اور اس کے بارے اور سب کو جاننا چاہئے کہ وہ مکمل گمراہی کا شکار ہے۔

اس کفر وانکار والے جملے میں اوپر کی فہرستِ ایمانیات سے دو چیزیں (ملائکہ اور یومِ آخرت) اگر زیادہ نظر آرہی ہوں گی، تو اس فرق کی اصل وجہ تو اللہ ہی جانے، لیکن ہم ازخود بھی اس بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہاں ایمان بالقرآن اور ایمان بالرسول ﷺ کا صریح ذکر ہے جو یہاں نہیں ہے، اور یہ دونوں چیزیں (ملائکہ اور آخرت) قرآن اور رسول دونوں کی زبان سے بار بار دُہرائی جاتی رہی ہیں۔ پس وہاں اُن کے ذکر میں اِن کا ذکر بھی مضمر تھا الگ ذکر کی ضرورت نہ تھی۔

منافقین ایمان وکفر کے درمیان جھولتے رہتے ہیں

آگے فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ۔۔۔۔ (وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور پھر کافر ہوگئے، پھر ایمان لائے اور پھر کفر میں جا پڑے اور پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے اللہ انھیں نہیں بخشنے والا، اور نہیں انھیں راہِ نجات دکھانے والا!) یہ تین تین دفعہ ایمان وکفر کی قلابازیاں کھانے والے کون لوگ ہیں؟ کئی ایک قول مفسرین اس بارے میں نقل فرماتے ہیں، جس میں ایک کے مطابق یہ منافقین کا حال ہے۔ اور یقیناً یہی صحیح تر قول ہے، اور اگلی آیت (وَبَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا) اس کی کھلی شہادت دے رہی ہے کہ یہ اوپر کی دوسری آیت سے چلا آرہا ذکر منافقین ہی کا ہے، ورنہ اگر اوپر ذکر کسی اور گروہ (کفار یا مرتدین) کا ہوتا تو ان کے بجائے منافقین کو عذاب کی بشارت کی کیا تک بنتی؟ آیت کے الفاظ (ایمان لائے پھر کافر ہوگئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوگئے۔۔۔) سے ضرور یہ مرتدین ہی کا کوئی گروہ نظر آتا ہے مگر اگلی آیت اس مفہوم کی گنجائش نہیں چھوڑتی۔ ابنِ کثیر بھی اس آیت (بشّرِ المُنافقین) میں لفظِ منافقین کو اوپر والی آیت کی توضیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی اَنَّ المُنافقین مِنْ هٰذهِ الصفة۔ (یعنی یہ ہر وقت کے ڈانواں ڈول منافق)

نفاق کے لئے ارتداد والی تعبیر؟

رہا یہ سوال کہ کیا منافقین کی کوئی قسم فی الواقع ایسی بھی تھی کہ جس پر یہ ارتداد والی تعبیر (ایمان لائے ،پھر کافر ہوگئے، پھر ایمان لائے پھر کافر ہوگئے ۔۔۔) صادق آئے تو یہ تعبیر بظاہر اُسی صورتِ حال کی ہے جس کو دوسری جگہ ''مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا اِلٰى هٰؤُلَآءِ وَلَا اِلٰى هٰؤُلَآءِ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ اگر چہ کھلا ارتداد نہ تھا مگر اندرونی طور پر ارتداد ہی کی جیسی حالت تھی۔ پس یہ منافقین کے اس طبقہ کا ذکر ہے جو مرغانِ بادنما کی طرح ہوا کے ساتھ رُخ بدلتا تھا۔ آج اسلام کی طرف کو جھک رہا ہے تو کل اس کو کفر میں فائدہ نظر آنے لگا۔ سور بقرہ کے بالکل شروع (آیت ۲۰) میں انہی کا حال ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ كُلَّمَا اَضَآءَ لَهُم مَشَوا فيهِ وَإِذا اَظْلَمَ عَلَيْهِمِ قامُوا (ایک قدم بڑھاتے ہیں تو دوسرے پر ٹھٹک کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

منافقین کو دشمنان اسلام سے دوستی میں عار نہیں

آگے ارشاد ہوا ''اَلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الكافِرِينَ اَولِياءَ مِن دُونِ المُؤْمِنِينَ ۔۔۔ یہ انہی اوپر کے احوال واوصاف والے لوگوں کی ایک اور صفت پر انگلی رکھی جا رہی ہے جن کو منافقین کے نام سے رو شناس کرایا گیا ہے۔ اور یہ وہ صفت ہے جو ان کے نفاق کو اَلم نشرح کرتی ہے۔ فرمایا: وہ کہ جو مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔'' بار بار ذکر آچکا ہے کہ انصارِ مدینہ کے خاندانوں میں جو بدقسمت لوگ منافقانہ طور پر اسلام کا اظہار کرتے تھے ان کی سانٹھ گانٹھ حوالیٔ مدینہ کے یہود سے رہتی تھی۔ فرمایا: کیا اس دوستی سے یہ لوگ وہاں ''عزت'' پانے کا خواب دیکھتے ہیں۔ لفظِ عزت قرآن میں بالعموم غلبہ وقوت اور شدت کے معنیٰ میں آتا ہے۔ صاحبِ روح المعانی اس موقع پر لکھتے ہیں۔ العِزۃ ای القوّۃُ و المَنْعَۃُ وَ اصلُها الشِّدَّۃُ (عزت سے مراد ہے طاقت اور قوتِ مدافعت، اور لغۃً اس کے اصل معنیٰ ہیں شدت اور سختی۔) صاحبِ مفردات القرآن فرماتے ہیں: ''العزّۃ حالۃٌ مانِعۃٌ لِلانسانِ مِن اَنْ یُغْلَبَ (کسی کا وہ حال جس میں اسے کوئی مغلوب نہ کر سکتا ہو) اور کلمہ 'عزت' کی یہی معنویت ہے جس سے اللہ کے لئے صفت عزیز قرآن میں آتی ہے اور اس کا ترجمہ ''غلبے والا'' ''زور والا'' کیا جاتا ہے۔

غرض، یہ اللہ نے ان لوگوں کے دل کی چوری پکڑی ہے۔ یہ اپنے نفاق اور دوغلے پن کی وجہ سے مسلم معاشرے کے درمیان ہر وقت خطرہ سا محسوس کرنے پر مجبور تھے، اس لئے جس اسلام دشمن قوت سے بھی سانٹھ گانٹھ کا موقع تھا اس سے قربت کی کوشش میں رہتے تھے، کہ آڑے وقت پر کام آسکے۔ اللہ نے

فرمایا: بڑے دھوکے میں یہ لوگ ہیں (فَاِنَّ العِزَّةَ لِلّٰہِ جَمیعاً) عزت تو فقط اللہ کے گھر کی باندی ہے۔

اسلام کا دعویٰ اور اسلامی حمیت سے عاری!

اپنی غرض کے تحت کسی سے دوستی گانٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے آدمی اس کو ناراض کرنے والی کوئی بات یقیناً نہیں کرسکتا۔ یہود جس قدر اسلام اور پیمبرِ اسلام دشمن تھے اس کا اندازہ کرنے کو تو شروع قرآن سے ابتک کی آیتیں ہی کافی سے زیادہ ہیں۔ قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم میں کیڑے نکالنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ پس ان سے دوستانہ بڑھانے کی کوشش میں ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے میں یہ سب بکواس سُنے بغیر نہیں رہا جاسکتا تھا۔ اور کسی تحفُّظ اور رزرویشن کے بغیر سننا تھا۔ اس لئے عزت کی تلاش والے فقرے کے بعد یہ آپ سے آپ سمجھ میں آجانے والی بات چھوڑتے ہوئے فرمایا جارہا ہے: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فی الکِتٰبِ اَنْ اِذا سَمِعتُمْ۔۔۔۔ یعنی خود کو مسلمان گنوانے والے یہ روش اس کے باوجود اختیار کئے ہوئے ہیں کہ قرآن میں صراحت سے حکم مسلمانوں کے لئے آچکا ہے کہ ''جس مجلس میں آیاتِ الٰہی کے ساتھ تمسخر کیا جارہا ہو وہاں تم نہ بیٹھو، ورنہ پھر تم بھی انھیں جیسے ٹھیروگے۔۔۔'' یہ مکی سورہ الانعام کی آیت ۶۸ (اِذا رَأیتَ الَّذینَ یَخُوضونَ فی اٰیاتِنا فَاَعْرِضْ عَنْھُم۔۔۔۔۔) کا حوالہ ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تبعاً ہر مؤمن کو ہدایت فرمائی گئی تھی کہ جب کفار کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات کے تمسخر میں لگے ہیں تو ان سے کنارہ کرو جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔۔۔۔۔!

مسلمانوں کے مقابلے میں کفار سے دوستی کا انجام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کو ان اپنے اور اللہ کے کھلے دشمنوں کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی دلچسپی ظاہر ہے سوائے اس کے نہیں ہوسکتی تھی کہ ایمان کی دعوت کا موقع نکالیں، جیسا کہ مذکورہ آیت کے آگے کی آیتیں دیکھی جائیں تو ان سے صاف ظاہر بھی ہوجاتا ہے، تب بھی یہ ہدایت دی گئی تھی کہ دعوت کی خاطر آیاتِ الٰہی کا تمسخر برداشت کرنے کے روادار نہ ہوں۔ تو ان لوگوں کا کیا حکم ہونا چاہئے جو اسلام کا دم بھی بھریں اور قرآنی ہدایات وتعلیمات کا مذاق اُڑانے والوں کی ہم نشینی میں عزت ڈھونڈیں؟ ان کا صاف حکم اِنَّکُم اِذاً مِثلُھُم میں آگیا، کہ ان کا شمار انہی استہزاء کرنے والے کافروں میں ہے، چاہے کتنا ہی اسلام کا دعویٰ کرتے پھریں۔ اور انہی میں شمار کئے جانے کے بعد ظاہر ہے کہ ان کا اُخروی انجام بھی وہی نارِ جہنم سے سابقہ ہوگا جو کافروں لئے مقدر ہے۔ ارشاد ہوا: اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمنافِقینَ وَالْکافِرینَ فی

جَهَنَّمَ جَمِيعاً (اللہ بے شک تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں یکجا کرے گا۔)

اللہ محفوظ رکھے۔ ہمارے زمانے میں، جب کہ دنیا پر اہلِ کفر کا غلبہ ہے اور مسلم اقوام اپنی پسماندگی سے نکلنے اور قوت و ترقی کی راہ پر پڑنے کے لئے اسی غالب مغربی دنیا کی شاگردی کے لئے دوڑ لگائے ہوئے ہیں، آسانی سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ استفادے کی اس دوڑ میں انھیں اس دینی حمیّت کا پاس رہے جس میں کوتاہی کو یہ آیت کفر کے ہم معنیٰ ٹھیرا رہی ہے۔ اللّٰھم احفَظْنا وَ لا تَجْعَلْنا مِنَ الخاسرین۔

منافق، ایک بے ضمیر شخصیت!

کافروں کا نام تو یہاں ضمناً آ گیا، ورنہ مقصود تو منافقوں کا انجام بتانا تھا، اسی لئے نام ان کا پہلے ہے۔ اور اس کے علاوہ ان کا جرم بھی کافروں سے بھی بڑھا ہوا تھا، کہ اسلام کا لبادہ اوڑھے کافروں سے ہم آہنگ تھے، پس یوں بھی ان کا نام پہلے ہی آنا چاہئے تھا، پھر اسی پر بھی بس نہ تھی، بلکہ آگے ان کا جو اور کردار بتایا جارہا ہے وہ اس سے کہیں سوا تھا: یہ وہ لوگ تھے جو مسلمان بنتے ہوئے دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں پر افتاد دیکھنے کے انتظار میں رہتے تھے۔ (اَلَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ ۔۔۔۔) اور پھر بے حیائی اور دنائت کا یہ عالم کہ مسلمان فتح پائیں (فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ) تو بڑھ کر اس میں اپنا کردار جتائیں (اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۔ کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟) اس لئے کہ دکھانے، بلکہ کھیل بگاڑنے، کی نیت سے تھوڑی بہت شرکت جہادی سفروں میں کرلیا کرتے تھے۔ اور اگر جیت دشمنوں کے حصے میں آ گئی (وَإِنْ كَانَ لِلْكافِرِينَ نَصِيبٌ) تو خاموشی سے ان کے پاس جا پہنچیں اور کہیں: اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ کہ تمھیں یہ جیت ہماری ہی بدولت ملی ہے۔ (کیا یہ ہمیں نہیں تھے کہ تم پہ چھا گئے اور مؤمنین سے تمھیں بچالیا؟) ہم اگر مؤمنین کے لشکر میں نہ ہوتے تو تمھیں جیت نہیں نصیب ہوسکتی تھی۔

پھر بھی اہلِ نفاق کی سزا آخرت پر رکھی گئی ہے

ایسے خطرناک گروہ کے ساتھ کیا ہونا چاہئے تھا، جبکہ اللہ عالم الغیب سے ان میں کا کوئی فرد اس سے پوشیدہ نہیں تھا؟ کیا شبہ ہے کہ یہ سب تختۂ دار پر چڑھا دئے جانے کے لائق تھے۔ اسلام دشمنوں سے ساز باز کے علاوہ مسلمانوں میں اپنے جیسوں کی تعداد بڑھانے کی ان کی سرگرمیاں کچھ اور زیادہ ہی خطرے کا پہلو رکھتی تھیں۔ مگر فرمایا کیا جارہا ہے؟ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً (ٹھیک ہے، قیامت کے دن اللہ فیصلہ تم سب لوگوں کے درمیان کردے گا۔ اور

وہاں وہ کافروں کے لئے مؤمنین پر غلبہ کی کوئی راہ ہرگز نہ رکھے گا۔) یعنی مسلمان صبر سے کام لیں اور ان منافق کافروں کے ساتھ یوں ہی گزارا کرتے ہوئے آخرت کا انتظار کریں۔'' اور مدینے کے نویں سال (۹ھ) تک کی تو قطعی شہادت موجود ہے کہ ان کی ہمہ جہت اشتعال انگیز حرکتیں خاموشی سے گوارا کی جاتی رہیں۔ غزوۂ تبوک (۹ھ) کے واقعات پڑھے جائیں تو یہ موقع جہاں مدنی سیاست کا نقطۂ عروج بن کر نمایاں ہوتا ہے وہیں اس گروہ کی حرکاتِ بد کا نقطۂ عروج بھی یہیں سامنے آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانِ مبارک کے خلاف منصوبے تک کو عمل میں لانے کی کوشش اس گروہ نے غزوے سے فاتحانہ واپسی کی راہ میں کرڈالی تھی۔ لعنۃ اللہ علیھم

دنیا میں ان پر عدمِ گرفت میں بڑی حکمت تھی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحمّل و بردباری کی جو روش اس گروہ کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رہبری کی برکت سے اختیار فرمائی اس میں ابدی رہنمائی ہے اسلامی قیادت کے لئے۔ مدینے کا نو مسلم معاشرہ جس قبائلی تانے بانے سے بنا ہوا تھا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ اس گروہ پر نظر ضرور پوری طرح رکھی جائے مگر کھل کر ہاتھ اس پر نہ ڈالا جائے، کہ مبادا قبائلی معاشرے کی قدیم جاہلی نفسیات جن کو اسلام نے ابھی ابھی پسِ پشت ڈلوایا تھا وہ دوبارہ سر اُٹھانے کا موقع پالے، اور یہ گروہ جو اسلام کے آگے بے بس ہو کر منافقت کے پردے میں خود کو چھپائے رکھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا اظہار کرنے پر مجبور تھا پرانی قبائلی نفسیات کی جاگ سے اس کے لئے ایک کھلی حزبِ مخالف بن جانے کے امکانات پیدا ہوں۔ اسی غزوۂ تبوک کا تو یہ واقعہ ہے کہ انصار و مہاجرین کے دو افراد کے درمیان ایک نزاع نے ''یَا لَلْاَنصار اور یَاللْمُهاجرین'' کے آوازے بلند کرادئے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذاتِ خود مداخلت فرمانا پڑی تھی۔

اسی واقعہ سے رئیس المنافقین ابنِ اُبیّ کو یہ کہنے کا حوصلہ قرآنی بیان کے مطابق ملا تھا کہ: لَئِنْ رَجَعْنَا اِلَی الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (اچھا ذرا ہم مدینے واپس پہنچیں تو جسے زور وعزت حاصل ہے وہ نکال باہر کرے گا بے زور اور ذلیل (یعنی مہاجرین) کو۔) گویا یہ گروہ تو تاک لگائے بیٹھا تھا کہ کوئی صورت پیدا ہو کہ جاہلی دور کی قبائلی نفسیات کو کروٹ لینے کا موقع ملے۔ پس یہ تحمّل کی پالیسی بڑی حکمت کی پالیسی تھی۔ مگر بڑا صبر وضبط اس پر عمل پیرا ہونے اور رہنے کے لئے چاہئے۔ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ! (مگر یہ صبر والوں اور نصیبے والوں ہی کا کام ہے)

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

رزق کے دروازے

الحمدللہ و کفیٰ و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد
اعوذباللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، و سلامٌ علی المرسلین، و الحمدللہ رب العٰلمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

دورِ حاضر میں روزی روٹی کا مسئلہ

آج کے مادی دور میں انسان نے روٹی اور رزق کو زندگی کا نصب العین بنالیا ہے، روٹی کو اتنی اہمیت کبھی بھی حاصل نہیں تھی جتنی اہمیت آج حاصل ہے، اس لئے روٹی کمانے کے پیچھے وہ اپنے مالک کو ناراض کررہا ہے، حلال اور حرام کی تمیز ختم کردیتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک دوڑ لگی ہوئی ہے اور ہر بندہ پہلے سے زیادہ بہتر روٹی حاصل کرنے کے چکر میں ہے، اور یہ بات بھی سچ ہے کہ جتنی پیٹ بھرے کی بیماریاں آج ہیں تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں تھیں، بلڈ پریشر نمک زیادہ کھانے کی وجہ سے، Diabetes چینی زیادہ کھانے کی وجہ سے، Cardiac Diseases (دل کی بیماریاں) چربی زیادہ

کھانے کی وجہ سے۔ اگر آپ غور کریں تو کم کھانے کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد بہت کم اور زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی، اسی کے ساتھ شکوے بھی بہت زیادہ ہوں گے، پریشانیاں بھی بہت ہوں گی، جس گھر کو دیکھیں رزق کی پریشانی کا شکوہ، الا ماشاء اللہ، جتنے گھر کے لوگ ہوتے ہیں مرد اور عورتیں سب نوکری پیشہ ہوتے ہیں، سب کی الگ الگ گاڑیاں ہوتی ہیں اور پھر بھی شکوے۔

ہمیں یاد پڑتا ہے کہ بچپن میں فقیر کو دیکھا کرتے تھے کہ وہ روٹی کا سوال کرتا تھا تو کہتا تھا کہ آٹا دے دو، روٹی دے دو، وہ روٹی کا سوال کرتا تھا، پھر ایک وقت آیا کہ فقیر روٹی پر مطمئن نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کو پانچ روپے چاہئے تھے سگریٹ پینے کے لئے، اور آج وہ وقت ہے کہ فقیر پانچ روپے نہیں ۵۰ روپے کا سوال کرتا ہے کیونکہ اسے اپنے سل فون (Cell phone) کے اندر ایزی لوڈ Easy load ڈلوانا ہوتا ہے، کیونکہ اسے اپنے Loved one کو میسج کرنا ہوتا ہے، آج کے سائل کا یہ حال ہے۔

حالت یہ ہوچکی کہ جو عورت آج کے دور میں خوبصورت ہے اسے خوش نصیب سمجھا جاتا ہے، چاہے عمل کی رتی نہ ہو، پرلے درجے کی خدا کی نافرمان ہو، لیکن فقط خوبصورتی پر عورت کو خوش نصیب سمجھا جاتا ہے، اور مرد کے پاس اگر دولت ہو تو اس کو خوش نصیب سمجھتے ہیں، نہ شکل ہو، نہ عقل ہو، بیوقوفی کی بات بھی کرے گا تو اس کو بھولا بادشاہ کہیں گے کہ میاں صاحب بڑے بھولے ہیں، گویا عزت کا معیار بدل گیا، جس کے پاس مال زیادہ ہے وہ معزز بن گیا، نہ نیکی کو دیکھا جاتا ہے، نہ تقویٰ کو، نہ خدا خوفی کو۔

روزی کے سلسلہ میں مومن کی کیا سوچ ہونی چاہئے؟

آج کا یہ مسئلہ بہت بڑا ہے، اکثر آنے والے کہتے ہیں کہ لگتا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا، رزق باندھ دیا، ارے بھائی! لوگوں کو کیوں چھوٹا خدا بناتے ہو؟ اگر اللہ رب العزت رزق دینا چاہیں تو ساری دنیا کے انسان جمع ہو کر اس کو بند نہیں کر سکتے، اور اللہ تعالیٰ رزق نہ دینا چاہیں تو ساری دنیا کے انسان مل کر رزق دے نہیں سکتے، جب رزق کا پروردگار نے ذمہ لے لیا تو پھر اتنی Frustration (الجھن) کی بات کیا ہے؟

مومن کسی اور نظر سے دیکھتا ہے، اس کو تو یہ دیکھنا ہے کہ مجھے رزق کے لئے ہاتھ ہلانے ہیں، حرکت کرنی ہے اور اس حرکت میں میرے مولیٰ نے برکت رکھ دی ہے، جو میرا حصہ ہے وہ مجھے ملے گا۔

شریعت میں حلال روزی کمانے کے فضائل

شریعت کی خوبصورتی دیکھئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک صحابی ملے، آپ سے مصافحہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی ہتھیلیوں کے اوپر گٹے پڑے ہوئے ہیں، بہت سخت ہتھیلیاں ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

پوچھا کہ تمہارے ہاتھ اتنے سخت کیوں ہیں؟ کہا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں مزدور ہوں، پتھر توڑتا ہوں، وہی میرا ذریعۂ معاش ہے، تو نبی علیہ السلام نے مسکرا کر دیکھا اور فرمایا ''الکاسب حبیب اللہ'' جو ہاتھ سے محنت مزدوری کرتا ہے وہ اللہ کا دوست بنتا ہے۔ یہ کتنی خوبصورت شریعت ہے کہ جس میں اپنی ضروریات کے لئے اور اہل خانہ کی ضروریات کے لئے انسان اگر قدم اٹھاتا ہے اس کو عبادت کا درجہ دیا جاتا ہے، فرمایا کہ یہ شخص اللہ کا دوست ہے، چنانچہ دین اسلام نے اعتدال کا سبق دیا فرمایا:

دیکھو دو Extremes (انتہائیں) ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ انسان اتنا عبادت میں لگ جائے کہ دنیا کو خیر باد کہدے، یہ رہبانیت ہے اور منع ہے ''لا رھبانیۃ فی الاسلام''۔ اور دوسرا یہ کہ انسان اتنا دنیا کے پیچھے لگ جائے کہ روٹی کپڑے اور مکان ہی کو زندگی کا مقصد بنالے، فرمایا یہ اباحیت ہے اور یہ بھی منع ہے۔ فرمایا کہ اعتدال کا راستہ اپناؤ، ضروریات پوری کرنے کے لئے کام کاج کرو۔

چنانچہ شفیق بلخیؒ اپنی روزی کے لئے کسی دوسرے شہر کا سفر کرنا چاہتے تھے، اپنے دوست احباب سے مل کر وہ چلے گئے، کچھ دنوں بعد واپس اپنے شہر گئے تو ابراہیم ادہمؒ نے پوچھا شفیق کیا ہوا؟ کہنے لگے میں راستہ میں تھا، ایک معذور زخمی چڑیا کو دیکھا جو اڑ نہیں سکتی تھی، ایک صحت مند چڑیا اس کے پاس آئی جس کے منہ میں دانہ تھا، اس نے آکے وہ دانہ اس کے آگے ڈالا اور معذور چڑیا نے کھالیا، تو میں نے دل میں سوچا کہ جو پروردگار معذور چڑیا کو رزق دے سکتا ہے وہ مجھے بھی دے گا، تو میں وہاں سے واپس آ گیا، ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا کہ دیکھو معذور کا وطیرہ نہ اپنانا، طاقت ور بن کر محنت کرو اور کماؤ، خود بھی کھاؤ اور اللہ کے بندوں کو بھی کھلاؤ۔

تو شریعت یہ بھی نہیں کہتی کہ معذور بن کے بیٹھے رہو، پڑے رہو، جوان العمر انسان ہے اور دن کے دو بجے تک اس کی نیند ہی پوری نہ ہوتی ہو، شریعت نے کہا: ''فریضۃ بعد الفرائض'' حلال رزق کمانا یہ بھی فریضہ ہے، اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اتنا بھی نہ اس میں لگ جانا کہ نمازیں ہی قضا کر بیٹھو، اور تم کہو کہ مجھے نماز کی فرصت ہی نہیں۔

روزی روٹی کا مسئلہ صرف دنیا ہی میں نہیں

ذہن میں رکھئے گا کہ پیٹ کا مسئلہ صرف زندگی تک کا ہی نہیں، زندگی کے بعد بھی پیٹ کا مسئلہ ہوگا، اگر دنیا میں نافرمانی کر کے رہے جب بندہ جہنم میں پہنچے گا تو وہاں زقوم کھانے کو ملے گا، پینے کو غسلین ملے گا، پتہ چلا کہ کھانے پینے کی ضرورت تو وہاں بھی ہوگی۔ اس لئے دنیا کی مختصر زندگی کو نافرمانی میں گذار کر

اپنے لئے آخرت کے عذاب کو واجب کر لینا یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟ اس لئے رزق کے معاملہ میں انسان حرام اور حلال کا خیال رکھے۔ پیٹ تو انسان کا اتنا چھوٹا کہ دو روٹی سے بھر جاتا ہے، اگر پیٹ اتنا بڑا ہوتا کہ کھاتے کھاتے بھرتا ہی نہ پھر انسان فکر مند ہوتا تو چلو اور بات تھی کہ برتن بہت بڑا ہے، لیکن جتنا بھی کھانا سامنے رکھ دو دو روٹی سے زیادہ کھا نہیں پاتا، زیادہ کھائے گا تو اگلے دن ڈاکٹر کے پاس جائے گا۔

جانوروں کے لئے روزی کا مسئلہ کیوں نہیں؟

دیکھئے جانوروں کے پیٹ تو بہت بڑے ہوتے ہیں، ہاتھی کو دیکھئے ٹنوں کے حساب سے سبزہ کھاتا ہے۔ ہپّو جو دریائی گھوڑا ہے، اس کو دیکھو تو اکثر مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف پیٹ ہے جس کو اللہ نے ٹانگیں لگا دی ہیں، جب دیکھو کھاتا نظر آئے گا، Blue whale ایک مچھلی ہے اس کا وزن ہر دن ۲۰۰ پاؤنڈ سے زیادہ بڑھتا ہے۔ انسان کا تو وزن ہی ۲۰۰ سو پاؤنڈ نہیں ہوتا، تو جس مچھلی کا پیٹ اتنا بڑا کہ وزن روزانہ ۲۰۰ پاؤنڈ بڑھے تو خوراک کتنی ہوگی؟ لیکن اللہ اس مخلوق کو بھی رزق دے رہا ہے، تو دو روٹی کھانے والا انسان کیوں پریشان ہوتا ہے؟ دیکھئے پرندے گھر سے خالی پیٹ نکلتے ہیں، شام واپس آتے ہیں تو پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔ اور یہ انسان صبح سویرے ناشتہ کر کے پیٹ بھرا گھر سے نکلتا ہے شام واپس آتا ہے تو پیٹ خالی ہوتا ہے، بھوک لگی ہوتی ہے، بیوی سے کہتا ہے کہ جلدی کھانا لگاؤ۔

ہر وقت پیٹ بھرے رہنے کے نقصانات

تو پیٹ بھر لینا ہی صرف کام نہیں ہے، حدیث مبارک میں ہے: ''أکثر شبعاً فی الدنیا اکثر جوعاً فی الآخرۃ'' جو دنیا میں اکثر پیٹ بھرا رہے گا وہ آخرت میں اکثر پیٹ خالی ہوگا۔ تو یہ مقصد زندگی نہیں ہونا چاہئے، ہاں یہ انسان کی ضرورت ہے، ضرورت کے درجہ میں اس کو پورا کرنا چاہئے۔ علماء نے عجیب بات لکھی کہ پیٹ بھر کر کھانے کی جس کو عادت ہو اس کی نصیحت کا دوسروں پہ اثر نہیں ہوتا اور خود اس کے اوپر دوسروں کی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔

روزی بند ہونے کا سبب کہیں ہمارے اعمال تو نہیں؟

اس بات کی طرف بھی ذرا غور کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے سیاہ کارناموں نے ہمارے رزق کے دروازوں کو بند کروا دیا ہو؟ کیوں چھوٹی چھوٹی بات پہ یہ سوچتے ہیں کہ کسی نے جادو کر دیا، جنات کا کوئی اثر ہو گیا، خواہ مخواہ عاملوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں، اور ایمان خراب کرتے ہیں، اگر کمرے میں

اندھیرا ہوتو انسان سوچتا ہے کہ کھڑکیاں دروازے بند ہیں اس لئے اندھیرا ہے، یہ نہیں کبھی سوچتا کہ کسی نے کوئی عمل کر دیا اس لئے کمرے میں اندھیرا ہوگیا، ایک کھڑکی کھولتا ہے پھر بھی روشنی نہیں آتی تو دوسری کھڑکی کھولتا ہے، تازہ ہوا نہیں آتی تو دروازہ کھول دیتا ہے۔ ہم بھی سوچیں کہ ہمارے ساتھ اگر یہ معاملہ ہے تو ان دروازوں کو کس چیز نے بند کیا؟ اور اب ان دروازوں کو کیسے کھول سکتے ہیں؟ یاد رکھیں! تدبیر پیالہ ہے اور اللہ ہی دینے والا ہے، تو جب پروردگار دینے والا ہے تو پرواہ کس بات کی؟

مال انسان کے ایمان کے لئے ڈھال ہے:

اللہ رب العزت نے مال کو خیر کہا، فرمایا: ''إِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ''۔ مال کو قیاماً کہا گیا، قرآن مجید میں دو چیزوں کو قیاماً فرمایا، ایک بیت اللہ کے بارے میں فرمایا: ''جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ'' اس لئے کہ بیت اللہ انسان کی روحانی زندگی کے قیام کا سبب ہے، اور مال کو قیاما کہا: ''وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا'' یہ انسان کی جسمانی زندگی کے قیام کا سبب ہے، اور آج کے دور میں مال انسان کے ایمان کے لئے ڈھال ہے، ورنہ جس کے پاس مال نہیں وہ تو لوگوں کی جیب کا رومال ہے، جیسے جیب کا رومال ناک صاف کر کے پھینک دیا غریب آدمی کا بھی یہی حال ہے، لوگ مطلب نکال کے ایک طرف کر دیتے ہیں، معاشرہ میں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

دو اہم نکتے

رزق کے معاملہ میں دو باتیں اہم ہیں، ایک تو یہ کہ رزق بھی انسان کو تلاش کرتا ہے، موت بھی انسان کو تلاش کرتی ہے، مگر رزق موت سے زیادہ تیز رفتار ہے، موت سے پہلے بندے تک پہونچتا ہے۔ اور دوسری اہم بات کہ سود کا کام کرنے سے انسان اللہ کا دشمن بنتا ہے، اللہ سے جنگ کرتا ہے، جو چٹان پہ سر مارے گا اپنا ہی سر پھوڑے گا، جو اللہ سے جنگ کرے گا اپنی تباہی کا خود ذمہ دار ہوگا، ظاہری آنکھیں یوں دیکھتی ہیں کہ بینک سے قرضہ لے لو بزنس اچھا چلے گا، اس بینک کے پیچھے ہم نے پچاسوں لوگوں کو Bankrupt ہوتے ہوئے دیکھا ہے، تو سود کی وجہ سے مال کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔ اور زکوۃ کے ادا کرنے سے مال میں برکت شروع ہوجاتی ہے، جس بندے نے زکوۃ نکالنی شروع کر دی اس کے مال میں اللہ نے برکت ڈالنی شروع کر دی۔ اور برکت کہتے ہیں کہ وہ انسان کے لئے کافی وافی ہوجاتا ہے، غیروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانے پڑتے، جتنا ہوتا ہے اس میں انسان پرسکون زندگی گذارتا ہے، مگر آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ 'يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ'' اے کاش! ہمیں بھی وہ ملتا جو

قارون کو ملا تھا۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ''نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا'' ان کے درمیان معیشت کو ہم نے تقسیم کیا ہے، تو مومن اللہ کی تقسیم پہ راضی رہے، اپنی طرف سے پسینہ بہانا یہ ہماری اپنی ذمہ داری ہے اس کے بعد دال ساگ بھی مل جائے تو اللہ کا شکر ادا کریں۔ داؤد علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ اے داؤد! اگر تجھے کھانے میں کبھی سڑی ہوئی سبزی ہی مل جائے تو سبزی کو نہ دیکھنا، اس بات کو دیکھنا کہ میرے پروردگار نے جب رزق کو تقسیم کیا تو میں اسے یاد تھا، اس سے بڑی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔ اس لئے مال کی طلب میں اجمال ہو، اضطراب نہیں ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ انسان دوسرے کی جیب کی طرف دیکھ رہا ہو کہ یا تو خود نکال کے دے دے ورنہ میں اس کا گریبان پکڑ کر اس سے چھین لوں، اللہ پہ توکل کریں گے تو اللہ تعالی اتنا دیں گے کہ آپ بس بس کریں گے۔

دنیا کا ہر کام دولت سے نہیں بنا کرتا

اور یہ بات بھی ہے کہ مال سے دنیا کا ہر کام نہیں سنورتا، آج جتنے زیادہ مال والے ہیں اتنے پریشان زیادہ ہیں، اتنے بیمار بھی زیادہ، مال سے انسان عینک تو خرید سکتا ہے بینائی نہیں خرید سکتا، مال سے انسان اچھی غذا تو خرید سکتا ہے اچھی صحت نہیں خرید سکتا، مال سے انسان اچھے کپڑوں کو تو خرید سکتا ہے خوبصورتی کو نہیں خرید سکتا، مال سے انسان دوائیاں تو خرید سکتا ہے صحت نہیں خرید سکتا، اور مال سے انسان جسم کو تو خرید سکتا ہے کسی کی محبت کو نہیں خرید سکتا ہے کتاب کو تو خرید سکتا ہے علم کو نہیں خرید سکتا تو دنیا میں ہر کام مال سے نہیں ہوتا اس لئے جتنا اس کا مقام ہے اس کو وہیں پہ رکھا جائے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ'' کہ انسانوں اور جنوں کو عبادت کے لئے ہم نے پیدا کیا ''مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ'' میں ان سے روزی کموانا نہیں چاہتا، ہم نہیں چاہتے کہ گدھے کی طرح صبح سے لے کر شام تک جٹا رہے، اور نمازوں کا ہوش ہی نہ ہو، لہٰذا مقصد کو مقدم کرنا چاہئے اللہ رب العزت رزق پہنچا کر رہتے ہیں۔

بایزید بسطامیؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت! کیا کریں رزق کی بڑی پریشانی ہے، تو فرمایا کہ تم اپنے گھر جاؤ اور تمہیں اپنے گھر میں جو بندہ ایسا نظر آئے کہ اس کا رزق تمہارے ذمہ ہے بازو پکڑ کے اس کو گھر سے نکال دو، اور جس کا رزق خدا کے ذمہ ہے تو تمہیں کیا پرواہ۔ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو میری عیال بنادے اور ساری زمین کو تانبے کی بنادیں اور آسمان سے ایک قطرہ بھی بارش کا نہ ٹپکے، تو بھی مجھے اتنے عیال کی روزی کی کوئی پریشانی نہیں، میرا مولی روزی پہنچا دیتا ہے، ایسا ہمارے

بزرگوں کو اللہ رب العزت کی ذات پر یقین تھا۔ بایزید بسطامیؒ نے کسی کے پیچھے نماز پڑھی تو امام صاحب نے تعارف کیا تو پوچھا: ''مِن أین تاکل'' کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ کہاں سے روزی کھاتے ہیں؟ تو بایزید بسطامیؒ نے جواب دیا کہ ''اِصبِر'' صبر کرو ''حتی أعید الصلوۃ التی صلیتھا خلفک'' میں وہ نماز لوٹالوں جو تیرے پیچھے پڑھی ہے ''حیث شککت فی رازق المخلوقین'' اس لئے کہ تجھے مخلوق کے رزق دینے والے کے اندر شک ہو گیا ہے۔

اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس رزق کی پریشانی کے بھی اسباب بتلادئے کہ یہ پریشانی کیسے دور ہوسکتی ہے، چنانچہ قرآن واحادیث میں سے سولہ ایسے نکتے ہیں جو ہم نے آج جمع کئے ہیں، سمجھ لیں کہ یہ چابیوں کا ایک گچھا ہے، ۱۶ کنجیاں ہیں، ہر کنجی رزق کا دروازہ کھولتی ہے، اور یہ بتانے والا کوئی عام عامل نہیں ہے، یہ سیدالاولین والآخرین اللہ کے پیارے حبیب صادق الامین ہیں، جس زبان سے ہمیں قرآن ملا اسی زبان سے نبی ﷺ کا فرمان ہمیں ملا، انھوں نے یہ باتیں بتائیں، لہٰذا دلوں میں ہم یقین کر کے ان باتوں کو سنیں اور ان اعمال کو اپنائیں اور رزق کے دروازوں کو آنکھوں سے کھلتا دیکھیں۔

رزق کی پہلی کنجی: نمازوں کی پابندی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا'' اہل خانہ کو نماز کا حکم دیجئے اور اس پر جمے رہئے، صبر کیجئے، ''لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا'' ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے ''نَحْنُ نَرْزُقُكَ'' رزق ہم پہنچائیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت ایک وعدہ فرمارہے ہیں اور وہ پروردگار وعدہ کو نبھانا جانتا ہے، تو معلوم ہوا کہ جس گھر کے سب مرد اور عورتیں اہتمام کے ساتھ نماز پڑھیں تو روزی کے دروازے کھلتے ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ مرد ہیں تو جماعت کا اہتمام نہیں، عورتیں ہیں تو گھر کے کام مقدم کر کے بس بھاگی دوڑی قضا ہوتے ہوتے نماز پڑھتی ہیں، ایسی نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اہتمام کے ساتھ نماز پڑھیں، ایسا بھی نہ ہو کہ عورت کھڑی تو مصلے پہ ہو جائے اور ہاتھ باندھ کر کپڑوں کی کلر میچنگ کر رہی ہو، مرد مصلے پہ تو کھڑا ہو جائے لیکن بازار کی سیر کر رہا ہو، ایسی نماز نہ پڑھیں، نماز دھیان اور توجہ کے ساتھ پڑھنی چاہئے، اپنی طرف سے کوشش تو کریں، دھیان جما کر پڑھنے کی کوشش پر اللہ کی طرف سے اجر عطا ہوتا ہے، دنیا میں نتائج پر اجر ملتا ہے کہ یہ Achieve (حاصل) کر کے دکھاؤ تب تمہیں یہ ملا گا، اللہ فرماتے ہیں کہ کوشش کر کے دکھادو تمہیں انعام مل جائے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی

حاجت براری کے لئے اس کے ساتھ چل پڑتا ہے اللہ اس کو دس سال کے نفل اعتکاف کا ثواب عطا فرماتے ہیں، یہ تو نہیں کہا کہ بھائی کا کام کرواؤ، یہ اس اللہ رب العزت کی رحمتوں کی انتہاء ہے، فرمایا کہ منزل تک پہنچنا تو تمہارے بس میں بھی نہیں ہے یہ تو مقدر کا معاملہ ہے، ہم تو یہ دیکھیں گے کہ قدم کون اٹھاتا ہے، چلتا کون ہے۔ لہٰذا نماز صحیح اہتمام کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کریں، آپ گھر کے ہر چھوٹے بڑے کو نماز کا اہتمام سکھائیے، رزق ملنے کی قسم یہ عاجز کھا سکتا ہے، یہ شاہ کلید (Master key) ہے، رزق کی تنگی، کاروبار اور نوکری کا مسئلہ، کوئی بھی مسئلہ ہو نماز کے اہتمام سے اللہ رب العزت مسئلوں کو حل فرما دیتے ہیں۔

(۲) کثرت استغفار

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾'' کثرتِ استغفار سے اللہ فرماتے ہیں کہ میں مال کے ذریعہ سے تمہاری مدد کروں گا۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے: ''مَن أكثر مِن الاستغفار جعل له من كل هم فرجا و مِن كلِ ضيقٍ مخرجا ويرزقه مِن حيث لايحتسب''۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں گناہوں کی معافی مانگنے سے بارش ملتی ہے، اور اللہ رب العزت قوموں کے رزق کو وسیع فرما دیتے ہیں۔

(۳) انفاق فی سبیل اللہ

یعنی اللہ کے راستوں میں اور نیک کاموں میں خرچ کرنا۔ چنانچہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: ''وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ'' تم اللہ کی راہ میں جو خرچ کروگے اس کا بدلہ مل کر رہے گا، رٹرن مل کر رہتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اس کے بدلہ میں کچھ نہ ملے، یہ جو انفاق ہے یہ لفظ بنا ہے نفق سے، نفق کہتے ہیں سرنگ کو اور سرنگ میں انسان ایک طرف سے داخل ہو کر نکلتا ہے پھر دوسرا داخل ہوسکتا ہے، تو فرمایا کہ تمہارے پاس جو پہلا رزق ہے اس کو نکالو گے تو دوسرا آئے گا۔ ''وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ''۔ فرمایا: ''أنفِقْ يُنفَق عليك'' تم خرچ کرو اللہ تم پر خرچ کرے گا۔ عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: ''ان لله اقواما اختصهم بالنعَم لمنافع العباد'' اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ نے جن کو اپنے بندوں کے منافع کے لئے مخصوص کر دیا ہے، ان کی ذات سے اللہ کے بندوں کو نفع ملتا رہتا ہے، یہ ان کا Charter of duty ہوتا ہے کہ جو ان کو ملتا ہے وہ ان کی اپنی ضرورت کے لئے صرف نہیں ہوتا، وہ دوسروں تک پہنچانے کے لئے ہوتا ہے، جو ڈاکیہ ڈاک پہنچاتا رہے اس کی ترقی

ہوتی رہتی ہے، اگر وہ ڈاک نہ پہنچائے تو اس کو نوکری سے معزول کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کتنے لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتنا اچھا ان کا کام چلا، کاروبار چلا، پھر ایک دم کاروبار ٹھپ ہوگیا، وجہ یہ بنی کہ جو ملا تھا وہ سارا ان کا نہیں تھا، اس میں سے اللہ کے لئے مسکینوں پر، بیواؤں پر، طلبہ پر، دین کے راستے میں اور فلاحی کاموں میں خرچ کرنا تھا، مگر یہ خزانے کے سانپ بن کر بیٹھ گئے، بینک بیلنس کے چکر میں کہ آج اتنے ملین اور کل اتنے ملین بن جائیں گے، مگر اب اوپر سے ڈاک آنی ہی بند ہوگئی، کہتے ہیں کہ حضرت ایک وقت تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے سونا بنتی تھی، آج تو سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں تو مٹی بنتا ہے، لگتا ہے کسی نے کچھ کر دیا، بالکل کسی نے کیا لیکن یہ آپ ہی نے تو کیا ہے، آپ کی تو بہترین نوکری لگی تھی کہ اللہ کے بندوں کو ان کا حصہ پہنچاؤ، کتنا پہنچانا تھا؟ پورے مال میں سے ڈھائی پرسینٹ، زکوٰۃ پورے مال میں اڑھائی فیصد، سبحان اللہ!

ہم نے دیکھا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ بڑے کی نوکری پہ رہیں، چھوٹی کمپنی کے بجائے بڑی کمپنی کی نوکری ملے اور بڑی نوکری کے بجائے ملٹی نیشنل کمپنی کی نوکری مل جائے تاکہ اور زیادہ بینیفٹ ملیں، کیا اچھا ہو کہ ہم سب سے بڑے کی نوکری کریں، سب سے بڑے کی نوکری یہ کہ جو اللہ نے مال دیا گن گن کر اس کی زکوٰۃ کو نکالیں، اللہ وہ پروردگار ہے جو اڑھائی پرسینٹ مال غریبوں تک پہنچانے کے بدلے امیروں کو 97.5% تنخواہ عطا فرماتا ہے، اتنا بڑا کوئی PAY کرنے والا مالک دیکھا جو کہے کہ 97.5% تمہاری تنخواہ ہے اور ڈیوٹی ہے کہ میرے جو محتاج بندے ہیں ضرورت مند بندے ہیں یہ اڑھائی پرسینٹ تم ان تک پہنچادو، اب جو ڈھائی پرسینٹ کو بھی لے کر بیٹھ جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے بجائے رزق کسی اور ذریعہ سے اس تک پہنچادیتے ہیں۔

رابعہ بصریہ کے پاس مہمان آگئے، اتنے میں دروازہ کھٹکھٹایا گیا، خادمہ نے کہا کہ کوئی بندہ کھانا لایا ہے، فرمانے لگیں گنو، روٹیاں کتنی ہیں؟ کہا ۹، فرمانے لگیں یہ میرا حصہ نہیں ہے کسی اور کا ہے اس سے کہو کہ جاؤ، دوبار دروازہ کھٹکھٹایا، دیکھا کوئی بندہ کھانا لایا ہے، فرمایا روٹیاں گنو، اس نے کہا کہ ۹، کہدو کہ میرا حصہ نہیں، یہ کسی اور کی ہے، پھر تھوڑی دیر بعد تیسری مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا، خادمہ نے کہا کہ پھر کوئی بندہ کھانا لایا ہے، پوچھا کتنی روٹیاں ہیں، کہا کہ ۹، فرمایا کہ یہ میرا حصہ نہیں ہے، اس سے کہدو کہ چلا جائے، خادمہ نے کہا کہ کیوں نہیں لے رہی ہیں، مہمان بھی تو ہیں، انھوں نے کہا کہ دیکھو میرے پاس آج صبح ایک روٹی تھی، سائل آیا تھا، میں نے اللہ کی رضا کے لئے ایک روٹی دے دی تھی، اللہ کا وعدہ ہے: ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا'' کہ دس گنا ملے گا، ۹ روٹیاں میری نہیں ہوسکتیں، خادمہ نے ہاتھ جوڑے کہ مجھے بھی بھوک

لگی ہوئی تھی، ایک روٹی خود رکھ لی تھی، یہ دس ہی ہیں، ایسا کامل یقین اللہ کے وعدوں پر تھا۔

حبیب عجمیؒ کی بیوی نے آٹا گوندھا، پھر تنور جلانے کے لئے لکڑیاں لینے گئیں، پیچھے سے سائل آ گیا، اس نے کہا بڑا محتاج ہوں اللہ کے لئے کچھ دے دو، اللہ والوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی اللہ کے نام کا واسطہ دیتا ہے تو پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو کھول دیتے ہیں، انھوں نے وہی آٹا اٹھا کے دے دیا، اب بیوی لکڑیاں لے کے آئی، دیکھا کہ آٹا نہیں، پوچھا آٹا کیا ہوا؟ کہنے لگے میں نے روٹیاں پکنے کے لئے بھیجا ہے، ابھی ان کی بیوی نے چولہے میں آگ پوری نہیں جلائی تھی کہ اتنے میں دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا، بیوی نے پوچھا کون؟ آنے والے نے روٹیاں بھی دے دیں، سالن بھی دے دیا، تو بیوی نے کہا تم نے جہاں روٹیاں پکانے بھیجی تھیں پکانے والے نے روٹیوں کے ساتھ سالن بھی بھیج دیا۔ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ایک حلاوت ہے، جس کو وہ حلاوت مل جائے اسکو کوئی فکر نہیں ہوتی، وہ سب غموں سے آزاد ہوتا ہے۔

(۴) دین کی خاطر ہجرت کرنا

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ''وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً'' اللہ کے راستے میں جو ہجرت کرے اسے جائے پناہ بھی ملے گی اور رزق میں وسعت بھی ملے گی۔

(۵) تقوی کا اختیار کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ'' اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے۔ ایک جگہ فرمایا: ''لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ'' ہم ان کو وہ نعمتیں کھلاتے جو ان پر آسمان سے اتارتے ہیں اور وہ نعمتیں کھلاتے جو نیچے زمین سے نکالتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا: ''وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ'' اللہ تعالیٰ ایسی طرف سے رزق دیتا ہے کہ جس کا وہم وگمان نہیں ہوتا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''علیک بتقوی اللہ فإنه جماع کل خیر'' تقوی اختیار کرو کیونکہ یہ تمام خوبیوں کا جامع ہے۔ سفیان ثوریؒ عجیب بات فرماتے تھے: ''اتَّقِ اللہ فمارأیت تقیًا محتاجًا'' میں نے آج تک کسی متقی بندے کو محتاج نہیں دیکھا کہ در در کے دھکے کھاتا پھرے، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھرے۔

آپ بتائیے آپ نے بھی بڑی دنیا دیکھی ہوگی، سمجھدار ہیں عقل مند ہیں تعلیم یافتہ ہیں، آپ نے

اپنی زندگی میں کسی حافظ باعمل یا عالم باعمل کو بھوکا پیاسا ایڑیاں رگڑتے مرتے دیکھا ہے تو بتا دیجئے، ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے، ہم نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی ڈگریوں والوں کو بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑتے مرتے دیکھا ہے، ہم یہ تو بتا سکتے ہیں کہ نیکی تقویٰ کے راستے میں زیادہ کھا کر مر گئے، امام مسلمؒ کا واقعہ ہے کہ کھجوریں زیادہ کھانے سے موت آ گئی۔ کہتے ہیں کہ یہ طلبہ کہاں سے کھائیں گے؟ بھائی جہاں سے انبیاء کھاتے تھے وہیں سے ان کے جانشین بھی کھائیں گے، تو یہ موٹی سی بات ہے کہ رزق اللہ دیتا ہے، تقوی کی وجہ سے اللہ رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

(۶) کثرتِ عبادت

حدیث مبارک ہے: ''یاابنَ آدم! تفرَّغ لعبادتی أملأ صدرَک غِنی و أسدّ فقرَک'' اے اولادِ آدم! تو اپنے آپ کو میری عبادت کے لئے فارغ کر، میں تیرے سینے کو غنی سے بھر دوں گا، اور تیرے فقر کو بند کر دوں گا، کتنے کھلے صاف لفظوں میں Loud and clear بتایا جا رہا ہے کہ عبادت کرو ہم تمہارے فاقے کے راستے بند کریں گے، تمہیں غنیٰ عطا فرمادیں گے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ہم نے عام گھوڑے کی قیمت کا ایک دفعہ پتہ کیا تو ۲۰ سے ۲۵ ہزار میں گھوڑا مل جاتا ہے، اور ایک ہوتے ہیں دوڑ جیتنے والے گھوڑے، ان کی قیمت لاکھوں میں ہوتی ہے، ہمارے ایک بہت قریبی چودھری صاحب فرمانے لگے کہ ہمارے گھوڑے کی قیمت ۲۵ لاکھ روپئے لگی، یہ ایک گھوڑے کی قیمت ہے تو عام گھوڑے ۲۰ ہزار کے، دوڑ جیتنے کا مقابلے کرنے والے ۲۵ لاکھ کے، اب اگر ۲۵ لاکھ والے گھوڑے کے مالک کے پاس کوئی جا کر کہے کہ میری گدھا گاڑی کا کچھ کام ہے، ذرا گھوڑا دے دو، مجھے گدھے گاڑی میں استعمال کرنا ہے، تو وہ ہنس کے کہے گا تمہارا دماغ ٹھکانے ہے؟ دوڑ کا مقابلہ جیتنے والے گھوڑے کو گدھے گاڑی میں باندھو گے؟ جس طرح دنیا دار انسان دوڑ کا مقابلہ جیتنے والے گھوڑے کو گدھے گاڑی پہ باندھنا پسند نہیں کرتا، اللہ کی قسم! اللہ رب العزت دین پہ چلنے والوں کو دنیا داری کی گاڑی میں باندھنا پسند نہیں کرتا۔

(۷) کثرتِ حج اور عمرہ

حدیث پاک میں فرمایا: ''ما امُعَرَّ حاجُ قطّ'' کہ کثرت سے حج کرنے والا عمرہ کرنے والا کبھی محتاج نہیں ہوتا، ''قیل: وما الامعار'' پوچھنے والے نے پوچھا کہ اس کا کیا معنی ہے؟ ''قال: ما افتقر'' یعنی جو فقر کا تجھے ڈر ہوتا ہے اللہ اس ڈر کو ختم کر دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے: ''النفقة فی الحج کالنفقة فی

سبیل اللہ الدرھم بسبعة مائة ''ایک درہم کے بدلے میں سات سو درہم ملتے ہیں۔

(۸) صلہ رحمی

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے: ''مَن أحب أن یُزاد فی عُمرِہ ویُزاد فی رِزقِہٖ فَلیصِلْ رحمَہ'' جو چاہے کہ میرا رزق زیادہ اور میری عمر زیادہ ہو اس کو چاہئے کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ آج اگر رزق کی شکایتیں زیادہ ہیں تو دوسری طرف معاملات بھی دیکھئے کہ بہن سے نہیں بولتے، بھائی سے نہیں بولتے، پھوپھی سے لڑائی، چچا سے لڑائی، ان کے گھر کا کھانا نہیں کھاتے، پانی نہیں پیتے کہ کچھ پڑھ کے نہ پلادیں، شریعت جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیتی ہے جب ہم ان رشتے ناطوں کا خیال نہیں کریں گے تو پھر رزق کے دروازوں کو ہم خود بند کریں گے، ہاں اگر دین کا کوئی ایسا معاملہ ہے تو سلام دعا تو سب کے ساتھ رکھنا، سلام کرنا، حال احوال پوچھنا یہ تو لازم ہے، زیادہ قریبی تعلق رکھنا نہ رکھنا یہ بندے کا اپنا چوائس ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''مَنْ سرہ أن یمدلہ فی عمرہ'' جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی عمر بڑی ہو ''ویُوسّع لہ فی رزقِہٖ'' اور رزق کو اللہ کھلا کردے ''وتُدفع عنہ میتة سوء'' اور اللہ اسے بری موت سے بچالے ''فلیتّقِ اللّٰہَ ولیَصلْ رحمَہ'' اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے تو اللہ تعالیٰ تینوں انعام عطا فرمادیں گے۔

(۹) کمزوروں سے حسن سلوک

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''لعلکم تُرزقون بضعفائکم'' کہ تم میں سے جو کمزور ہوتے ہیں ان کی وجہ سے تمہیں رزق ملتا ہے اور تم ان پر خرچ کرتے ہوئے پریشان ہوتے ہو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ رب کریم نے ارشاد فرمادیا: ''وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ'' اگر اللہ تعالیٰ عملوں کے اوپر پکڑ فرماتا تو زمین کے اوپر کوئی جاندار باقی نہ رکھتا ہمیں جو مل رہا ہے وہ کون سا ہمارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے، کیا پتہ فقیر کی دعا لگ گئی ہو، کمزور کی دعا لگ گئی ہو، ہم نے کسی کو Moral support دی اس کی دعا لگ گئی، کسی کے غم میں اس کا ساتھ دیا اس کی دعا لگ گئی۔

(۱۰) اللہ پہ توکل

''وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ'' جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ اس کی تفصیل حدیث مبارک میں ہے: ''لو أنکم تتوکلون علی اللہ حقَّ توکُّلِہ'' اگر تم اللہ پہ توکل

کرو جیسے توکل کرنے کا حق ہے ''لَرَزَقَکم کمایرزق الطیور ''اللہ تمہیں رزق دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے ''تَبدو خماصًا'' گھر سے خالی پیٹ نکلتے ہیں ''وتروح بطانا'' اور واپس پیٹ بھرے ہوئے لوٹتے ہیں۔

(۱۱) اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: ''لایرزق اللہُ عبداًالشکرَ فیحرمه الزیادةَ لان اللہ یقول: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیدَنَّکُمْ '' جس بندے کو شکر کی توفیق مل جائے اس کا رزق کم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو شکر ادا کرتا ہے میں اس کی نعمتوں کو اور زیادہ کر دیتا ہوں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک خوبصورت قول ہے: ''قیِّدُو انعمَ اللہ بِشکرِ اللہ'' اللہ کی نعمتوں کو شکر ادا کر کے قید کرلو، جس نے اللہ کی نعمت کا شکر ادا کیا اس نے نعمت کو قید کرلیا، وہ اس کے پاس رہے گی۔ ابن عطا اسکندریؒ کے حِکَم بہت معروف ہیں، ہمارے بزرگ علماء رمضان المبارک میں اس کی مستقل مجالس کیا کرتے تھے، ان کی حکیمانہ باتوں کو پڑھیں تو یوں لگتا ہے کہ اللہ نے اس امت میں بھی لقمانؑ کا ایک نمونہ عطا کیا تھا۔ شکر کے بارے میں ان کا ایک عجیب قول منقول ہے، جنھیں عربی کا تھوڑا سا بھی شوق ہوگا اس کو سن اور پڑھ کے وجد آتا ہے، یہ جامعہ الازہر کے استاذ بھی رہے اور اس جامعہ کو جو پوری دنیا کے اندر ایک مقام ملا وہ ایسے ہی باخدا بزرگوں کی وجہ سے ملا، وہ فرماتے ہیں: ''مَنْ لم یشکرِ النِعمَ فقدتعرض لزوالها'' جو نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اپنی نعمتوں کو چھن جانے کے لئے پیش کر دیتا ہے کہ اللہ مجھ سے یہ نعمت چھین لے ''ومَن شکرها فقدقیدبِعقالها'' اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ ان نعمتوں کو نکیل ڈال کے اپنے پاس قابو کر لیتا ہے، لہٰذا شکر ادا کر کے اللہ کی نعمتوں کو نکیل ڈال دیجئے۔

(۱۲) گھر والوں کو سلام کرنا

فرمایا کہ جب گھر انسان جائے تو اپنے اہل خانہ کو سلام کرے، اب بتایئے یہ کتنا چھوٹا سا عمل ہے، حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ثلٰثة کلهم ضامن علی اللہ'' تین ہیں جن کی ضمانت اللہ نے لی ہے، ''ان عاش رزق و کفی'' اگر وہ زندہ رہے گا اللہ اسے روزی دے گا جو اس کے لئے کافی ہوگی، ان تین میں سے ایک بندہ ہے: ''رجلٌ دخَل بیتَه بِسَلام'' جو اپنے گھر میں داخل ہوا اپنے اہل خانہ کو سلام کر کے، یہ کتنا چھوٹا سا عمل ہے، اس عمل پر رزق کا دروازہ کھلنے کا وعدہ ہے، مگر ہوتا کیا ہے؟ دفتر میں بڑے مزے سے دوستوں میں کھل کھلا کے ہنس رہے ہوتے ہیں، گھر میں قدم رکھا اور پارہ ہائی ہو گیا، خود کہتے ہیں حضرت! پتہ نہیں کیا ہوتا ہے گھر آتا ہوں پارہ چڑھ جاتا ہے، یہ شیطانیت کی آگ ہے، شیطان تمہارے اوپر سوار

ہوجاتا ہے، اس کو گدھا ملا ہوا ہے لہٰذا گھر میں داخل ہونے سے پہلے وہ گدھے پہ چھلانگ لگا کے بیٹھ جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا عمل سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ جب بھی گھر میں داخل ہوتے تو مسکراتے چہرے کے ساتھ آتے تھے، اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے، اتنے سے عمل پر رزق کی پریشانی ختم ہوجاتی ہے، اور یہی معاملہ بیوی کے بارے میں ہے کہ جیسے خاوند باہر سے آکر سلام کرے تو بیوی بھی شگفتہ چہرے سے اس کا جواب دے۔

(۱۳) والدین کی فرمانبرداری

حدیث مبارک میں ہے کہ پانچ چیزوں سے رزق زیادہ ہوتا ہے، (۱) صدقہ پر مداومت کرنے سے، (۲) صلہ رحمی (۳) جہاد (۴) ہمیشہ باوضو رہنا (۵) والدین کی فرمانبرداری کرنا۔ ہاں اگر والدین دین سے روکتے ہیں تو وہ خود اپنے مقام سے گر جاتے ہیں ''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بدتمیزی کی جائے Misbehave کیا جائے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے ایک بندہ ملا جو مستجاب الدعوات تھا، مستجاب الدعوات کہتے ہیں جس کی ہر دعا قبول ہو، وہ کہتے ہیں کہ مجھے بڑی تمنا ہوئی کہ پتہ چلے کہ اس کا کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام ملا، وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ان سے کہا کہ میں آپ کے ساتھ کچھ دن گذارنا چاہتا ہوں، وہ گھر لے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے گھر میں دو سُوَر بندھے ہوئے ہیں، میں بڑا حیران ہوا کہ یہ اللہ والا ہے اور اس نے سور پالے ہوئے ہیں، میں دیکھتا کہ وہ پہلے سوروں کو چارہ ڈالتا اور بعد میں کھانا کھاتا، تو تیسرے دن میں نے پوچھ لیا کہ مجھے یہ عمل سمجھ میں نہیں آیا، اس نے کہا کہ یہ میرے والدین ہیں ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے کہ اللہ نے ان کو انسان سے سور بنا دیا، چونکہ میرے تو والدین ہیں اس لئے میں ابھی بھی گھر میں ان کو رکھتا ہوں، ان کا خیال کرتا ہوں، ان کو چارہ پہلے ڈالتا ہوں کھانا بعد میں کھاتا ہوں، اللہ نے اس عمل کی وجہ سے مجھے مستجاب الدعوات بنا دیا۔ فرمایا کہ والدین مشرک بھی ہوں ''وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا'' اس دنیا میں تم ان کے ساتھ اچھی زندگی گذارو اور اگر ماں باپ کلمہ گو اور نیک ہوں تو سبحان اللہ پھر تو ان کی خدمت کرو اور اپنے اللہ کی رحمتوں کو حاصل کرو۔

(۱۴) دوام طہارت یعنی باوضو رہنا

حدیث مبارک سنئے: ''شکی بعضُ الصحابۃ النبیَ ﷺ الفاقۃَ'' بعض صحابہ نے نبی علیہ السلام سے فاقہ کی شکایت کی، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''دُم علی الطھارۃ'' تم باوضو رہنے کی کوشش

کرو ''یوسّع علیک الرزق'' اللہ تمہارے رزق کو وسیع کردے گا۔ یہ بھی بہت آسان ہے، جب وضو ٹوٹے نیا وضو کرلو، جن لوگوں کو اس کی عادت ہے الحمدللہ ان کی زندگی باوضو گذرتی ہے۔

باوضو رہنے میں ایک عظیم فائدہ

اور اس میں ایک نکتہ بھی ہے کہ ایک تو وضو شیطان سے بچنے کا ہتھیار ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''الوضوء سلاح المومن'' وضو دشمن سے بچنے کے لئے مومن کا ہتھیار ہے، لہٰذا باوضو رہنے کی کوشش کریں، اس ایک عمل پر آپ دیکھیں گے کہ شیطانی وساوس کم ہوجائیں گے، یہ باوضو رہنے کی برکت ہے۔ اور ایک دوسری برکت نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''کماتعیشون تموتون'' تم جس حال میں زندگی گذاروگے اسی حال میں تم کو موت آئے گی، تو جو زندگی بھر باوضو رہنے کی کوشش کرے گا اللہ اپنی رحمت سے باوضو مرنے کی بھی توفیق عطا فرمائیں گے، لہٰذا جو چاہتا ہے کہ باوضو مرے تو وہ زندگی میں باوضو رہنے کی کوشش کرے۔

(۱۵) صلوۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز پڑھنا

نو بجے دس بجے جب سورج اتنا بلند ہوجائے کہ گرمی سے اونٹ کے پاؤں جلنے لگیں اس وقت نماز پڑھنے کو صلوٰۃ الضحیٰ کہتے ہیں، آپ ذرا غور کریں کہ وہ وقت کاروبار کے لئے Peak time ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ مجھ کو بھولے نہیں، مجھ سے غافل نہ ہو، اس کے لئے فرمایا کہ اگر اس وقت تم دو رکعت پڑھ لوگے تو تمہارے رزق کو ہم وسیع کردیں گے۔ عورتوں کو چاہئے کہ مردوں کو جب دفتروں میں اور بزنس پر بھیجیں تو برکت تو اللہ ہی کو دینی ہے لہٰذا پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ میرا خاوند رزق حلال کے لئے گھر سے چلا گیا، میں تیرے سامنے ہاتھ اٹھاتی ہوں کہ اس کی محنت میں برکت عطا فرما۔

(۱۶) سورۂ واقعہ ہر رات میں پڑھنا

سورۂ واقعہ ہر رات میں پڑھنا رزق کو وسیع کرتا ہے، ابن مسعودؓ بیمار تھے، عثمان غنیؓ پوچھنے کے لئے آئے فرمایا: ''ألک حاجة'' کوئی ضرورت ہے؟ فرمایا: ''لا'' کوئی ضرورت نہیں ہے، انھوں نے کہا میں کچھ ہدیہ دے دیتا ہوں، کہا ضرورت نہیں، فرمایا آپ کا بیٹا کوئی نہیں، ساری بیٹیاں ہی ہیں اگر قبول کرلیں گے تو ان بیٹیوں کا فائدہ ہوگا، تو چونکہ ابن مسعودؓ کا یقین بنا ہوا تھا تو فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو سورۂ واقعہ سکھائی ہے، وہ رات کو سونے سے پہلے پڑھتی ہیں، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَن قرأ

سورۃ الواقعۃ کلّ لیلۃٍ لم تُصِبہُ فاقۃٌ ابدًا'' جو ہر رات سونے سے پہلے سورۂ واقعہ پڑھے اس کو کبھی فاقہ نہیں آسکتا۔

ایک صحابیؓ نے نبی علیہ السلام سے قرضے کی کیفیت بیان کی کہ میں مقروض ہوں، قرضہ میں ڈوب گیا ہوں، نبی علیہ السلام نے دعا سکھائی: ''اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ'' وہ صحابی کہتے ہیں :فقلتُ ذلک فأذھب اللّٰہُ ھمّی وقضاعَنی دَینی ''میں نے اس دعا کو پڑھا تو اللہ نے میری پریشانیوں کو بھی دور کردیا، میرے قرضوں کو بھی اتروادیا۔ اس دعا کو یاد کرکے ہر نماز میں پڑھنے کا معمول بنالیجئے۔

سیدنا حسنؓ فرماتے تھے کہ میرے اوپر مالی تنگی آگئی اور اسی فکر کی حالت میں میری آنکھ لگ گئی تو مجھے اپنے نانا جان کی زیارت ہوئی، خواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کیوں پریشان ہوتے ہو؟ یہ دعا پڑھ لیا کرو: ''بسم اللہ علی نفسی و مالی و دینی اللّٰھم أرضنی بقضاءک و بارِک لی فیما قدر لی حتی لا أحب تعجیلَ ما أخرت و لا تاخیر ما عجلت'' فرماتے ہیں کہ اس دعا کو پڑھنے کے بعد مجھے اپنے بعد کی زندگی میں کبھی مالی پریشانی نہیں ہوئی۔ یہ آسان باتیں ہیں جن پر ہم عمل کرسکتے ہیں۔

تعویذوں کے پیچھے بھاگتے پھرنا، یا عاملوں سے نسخے ٹوٹکے پوچھتے پھرنا، اس کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بے سہارا چھوڑ کر نہیں گئے، جس کی ضرورت تھی وہ سب کچھ بتلادیا، کرنا ہمارے ذمہ ہے، ہم ان اعمال کو کریں۔

روزی کو بند کروانے والے اعمال

اور کچھ ایسے اعمال ہیں جن سے رزق بند ہوتا ہے ان سے بچیں، اس وقت میں ان کی تفصیل تو نہیں ہوسکتی، وہ اعمال پڑھ کے بتائے جاتے ہیں، حدیث مبارک میں ان اعمال کا تذکرہ ہے کہ ان سے رزق بند ہوتا ہے۔ پہلی بات کھڑے ہوکر، جوتے پہن کر یا ننگے سر کھانا کھانا۔ بیت الخلاء میں ننگے سر جانا یا بیت الخلاء میں بات کرنا۔ مہمان کو بوجھ سمجھنا۔ ہاتھ دھوئے بغیر یا بسم اللہ یعنی دعا پڑھے بغیر کھانا کھانا۔ کھانے کے برتن کو بعد میں صاف نہ کرنا۔ مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا۔ فقیر کو جھڑک دینا۔ مغرب کے بعد بلا عذر سوجانا۔ نماز قضا کردینا۔ جھوٹ بولنا، یہ ایک ایسا عمل ہے جو آج بہت کثرت سے پھیل گیا ہے اور شیطان بدبخت نے جھوٹ کی نفرت کو کم کرنے کے لئے اس کا نام بدل دیا کہ اجی میں نے بہانا بنادیا، کیونکہ جھوٹ

سے تو دل میں نفرت آتی ہے، بہانے سے نفرت نہیں آتی، اسی طرح غیبت کا نام گپ شپ رکھ دیا۔

پھر فرمایا: گانے بجانے میں دل لگانا۔ آج گاڑیوں کے اندر گانوں کی سیڈیاں، گھروں کے اندر ٹی وی اور ریڈیو کے اوپر گانوں کی بھرمار رہتی ہے تو رزق کے دروازے تو خود بند کر لئے۔ پھر اگلا عمل اولاد کو برا بھلا کہنا، اس کی بھی اکثر عورتوں میں عادت ہوتی ہے، ذرا غصہ آیا اور اپنی اولاد کو گالیاں دینے لگ گئیں، بلکہ آج تو یہ وطیرہ لوگوں نے بنالیا کہ اولاد کو دین سے ہٹانے کے لئے گالیاں دیتے ہیں کہ گالیوں سے ڈر کے یہ دین کو چھوڑ دیں۔

پھر آگے فرمایا: قرآن مجید کو بے وضو چھونا، بے وضو ہاتھ لگانا۔ اور نامحرم کو دیکھنا —— اب سوچ لیجئے یہ گناہ کتنا عام ہے اور رزق کے بند ہونے کے شکوے بھی عام ہیں، تو پتہ چلتا ہے کہ کن وجوہات سے رزق بند ہے —— اگلی بات: اہل وعیال سے لڑتے رہنا، یہ بھی ہر گھر کی اسٹوری ہے، آج تو نیک ہوں یا بد، یہ تُو تُو مَیں مَیں تو اکثر گھروں کی بات ہے، میاں بیوی کی بنتی نہیں اور اوپر سے رزق کے شکوے۔ اللہ کے لئے آپس میں محبت و پیار سے رہئے پھر دیکھئے اللہ رب العزت کس طرح مدد فرماتے ہیں، آپ غور کیجئے ان میں سے اکثر وہ عمل ہوں گے جو ہم کرتے ہیں تو پھر رزق کے دروازے ہم نے ہی بند کئے۔ لہٰذا جو اعمال قرآن و حدیث میں رزق کی فراخی کے لئے بتائے گئے وہ کیجئے تاکہ رزق کے دروازے کھل جائیں اور جو بتائے گئے کہ ان سے رزق کے دروازے بند ہوتے ہیں ان سے بچئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی کشائش کو اپنی آنکھوں سے دیکھئے، اللہ تعالیٰ دے کے خوش ہوتے ہیں، لے کے خوش نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی سمجھ عطا فرمائے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ہمیں نیکوکاری کو مقصد زندگی بنا کر جینے کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندویؒ

دین کے تمام خدمت گذاروں کی خدمت میں
ایک دردمند خادم دین کا فکر انگیز پیغام
(دوسری قسط)

طریق اجتماع

کسی دینی خدمت کے لئے تعاون واجتماع کے دو طریقے رائج ہیں:

(۱) انجمن سازی، یہ طریقہ زمانے کے جمہوری مزاج سے مناسبت رکھتا ہے، یہ اس کی خوبی ہے، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس میں عہدوں کے لئے کشمکش ہونے لگتی ہے اور پارٹی بندیاں شروع ہوجاتی ہیں، نتیجہ منافع کی کمی بلکہ بعض مضرتوں کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے، سبب وہی اجتماعی تقوے کا فقدان ہے۔

(۲) کسی خاص شخصیت کی دینی عظمت دین دار کارکنوں کو اس کے گرد جمع کردیتی ہے، اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں:

(الف) روحانی تعلق اور عقیدت اس حاشیہ نشینی کی تحریک کرے، جیسے مرید اپنے شیخ کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔

(ب) فکری بلندی اور قیادت کی قابلیت اس عقیدت کا باعث ہو، جیسے بعض سیاسی یا معاشی رہنماؤں کا حلقۂ اثر قائم ہوتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں اس طریق اجتماع کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں قوت جامعہ بہت قوی ہوتی ہے، اسی طرح کارکنوں کی قوت کارکردگی بھی اس میں ترقی کرتی ہے، عہدوں کی کشمکش کی نحوست بھی

یہاں نہیں ہوتی، یہ سب اس طریق کی خوبیاں ہیں، مگر اس کی کمزوریوں کی طرف سے چشم پوشی بھی ایک طرح کی ناانصافی ہے، اس کی پہلی کمزوری تو یہی ہے کہ موجودہ زمانے کے جمہوری مزاج سے مناسب مطابقت نہیں رکھتا، اس لئے اس کا پیمانہ محدود ہوتا ہے، صرف وہ اشخاص اس سلسلہ میں منسلک ہونے کے لئے تیار ہوتے ہیں جو مرکزی شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ (یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، اس کے بالکل برعکس اس نوع کے بعض ایسے اجتماع بھی دکھائی دیتے ہیں جن کا حلقۂ اثر بہت وسیع ہے، دکھانا درحقیقت یہ ہے کہ اس طرز اجتماعی کی ساخت میں فی نفسہ وہ لچک نہیں ہوتی جو اسے دور تک پھیلنے دے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی خاص شخصیت کی قوت دعوت یا حالات کی سازگاری اسے وسیع کردے اور ظاہر ہے کہ ایسی شخصیتیں بہت کم ہوتی ہیں۔)

عمر کی کوتاہی بھی اس طریق کی ایک کمزوری ہے، مرکزی شخصیت کے خاتمہ کے ساتھ حرکت بھی عموماً ختم ہوجاتی ہے۔ اس طرز خدمت کی ایک اور کمزوری کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری سمجھتا ہوں جس نے اس کی افادیت کو محدود اور کم کردیا ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس حلقۂ عقیدتمندان کے افراد باہر کے لوگوں کو کام سے زیادہ مرکزی شخصیت کی طرف دعوت دیتے ہیں، اگر کوئی شخص محض اصولی اتفاق کی بنا پر اشتراک عمل کرنا چاہے مگر مرکزی شخصیت کا عقیدتمند نہ ہو تو اس کے لئے ان حضرات سے نباہ کرنا مشکل ہوتا ہے اور بالآخر وہ اس حلقہ سے باہر نکل جانے پر مجبور ہوجاتا ہے، جزئی تعاون یا جزئی عقیدت بھی ان لوگوں کے نزدیک کافی نہیں ہوتی، قابل قبول، عقیدت کا صرف وہ درجہ ہے جو خود ان کے دل میں ہوتا ہے اور اس حد تک جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس لئے کہ اس کا عنوان عصمت و مافوق الفطرت مقرر کرنا لغوی حیثیت سے ان کے مافی الضمیر کی صحیح تعبیر ہوتی ہے، اگرچہ وہ ان الفاظ کا اعلان کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔

قوم کا اجتماعی زوال بڑی بڑی شخصیتوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتا ہے، آج دنیائے اسلام کی مرکزی شخصیتوں کو دیکھو ان میں سے بکثرت باوجود دین داری، تقوی اور خلوص کے، خوشامد پسندی کے مرض میں گرفتار ملیں گی، یہاں تک کہ خانقاہیں بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں، حالانکہ ان کی وضع ہی اصلاحِ اخلاق کے لئے ہوتی ہے، یہ عادت حاشیہ نشینوں اور متوسلین میں سے ایک حلقہ مقربین وجود میں لاتی ہے اور یہ لوگ مرکزی شخصیت پر اس طرح حاوی ہوجاتے ہیں کہ اپنے مقصد برآوری کے لئے اسے جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں، یہ چیز بھی افادیت کی وسعت کے لئے ایک آہنی دیوار بن جاتی ہے، اصول ختم ہوجاتے ہیں، شخصیت سامنے رہ جاتی ہے، کام کے بجائے تقرب کی کوشش اصل قرار پاتی ہے اور اصل کام ٹھٹھر کر رہ

جاتا ہے۔

میں نے خدمتِ ملت کے دونوں مروجہ طریقوں کے عیب وہنر واضح کردئے، اب غالباً ناظرین کسی نئے طریق کار کے متعلق سننے کے منتظر ہوں گے، لیکن میں نے نہ تو کوئی نیا راستہ دریافت کیا ہے اور نہ نئے راستہ کی طرف دعوت دینا اس وقت مناسب سمجھتا ہوں، صحیح صورت یہ ہے کہ ان ہی دونوں طریقوں کی اصلاح کرکے ان کی افادیت میں اضافہ کیا جائے۔ موخرالذکر طریقہ کے بارے میں دو باتیں اور سن لیجئے۔

وہ شخصیتیں جن کی صلاحیتیں ان میں قوت جاذبہ پیدا کردیتی ہیں اگر اس قوت کے خرچ کرنے میں کفایت شعاری سے کام لیں تو ان کی افادیت کئی گنا زیادہ ہوسکتی ہے، اپنی خدمات کا محور ایک محدود اور چھوٹے حلقہ کو بنالینا محدود زمین میں زیادہ محنت کرکے کاشت کرنا ہے، اچھی پیداوار کی توقع اسی صورت میں کی جاسکتی ہے، اس درجہ کی قوت جاذبہ رکھنے والی شخصیتیں بھی بکثرت ہوتی ہیں اور آسانی سے تیار بھی کی جاسکتی ہیں، اگر چھوٹے چھوٹے حلقوں میں یہ قوتیں صرف کی جائیں اور ان میں آپس میں تعاون ہو تو انشاء اللہ حالات بہت تیزی سے تبدیل ہوں گے۔

لیکن یہ ایک بڑا سانحہ ہے کہ ہمارے اندر جب کوئی شخصیت ابھرتی ہے اور خدمت دین وملت کا بیڑا اٹھاتی ہے تو اس کا عقاب ہمت کم از کم پورے ایک ملک کو اپنی شکارگاہ بنانا چاہتا ہے اور جس کے پر پرواز یاوری نہیں کرتے، وہ تھک کر ایسا بیٹھتا ہے کہ کبھی اٹھنے کا نام نہیں لیتا، اور جسے مقبولیت کی قلیل غذا بھی مل جاتی ہے وہ بڑی آزمائش میں پڑجاتا ہے، حب جاہ، حب شہرت، عُجب وپنداراس کی متاع اخلاص پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اس حملہ سے اس متاع بے بہا کو بچاسکیں، اخلاص باقی بھی رہا تو قوت تاثیر اس وسیع فضا میں پھیل کر کمزور ہوجاتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اسے خود احساس ہوتا ہے کہ اس کی باتیں فضا میں گم ہوجاتی ہیں یا صرف کانوں تک پہنچ کر اور دل میں اترنے کی راہ نہ پاکر زبانوں کے راستہ تحسین وآفرین، یا تنقید وتبصرہ کی صورت میں واپس آجاتی ہیں، افادیت کی کمی اور مقصد میں ناکامی دونوں صورتوں میں لازم ہیں۔ یہ عام حالت ہے، مخصوص اور نادر حالات واشخاص سے یہاں بحث نہیں، اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو اسلاف کے واقعات کو شہادت میں پیش کرکے دکھاتا کہ انھوں نے قوت کی اس کفایت شعاری اور حلقۂ خدمت کی تحدید کو کس قدر ملحوظ رکھا اور اس سے کس قدر عظیم الشان فائدہ پہنچایا، اس وقت ہمارے اندر بڑے قائدین کی کمی نہیں ہے، قلت درحقیقت چھوٹے قائدین کی ہے اور یہی امت کی تعمیر میں بنیاد کا کام دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ ہر زمانے کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے جس کی رعایت شریعت اسلامیہ نے بھی کی ہے اور یہ اسی ابدی شریعت کی خصوصیت ہے کہ اس نے قیامت تک ہر زمانے کے مخصوص مزاج کا لحاظ رکھا ہے۔ موخرالذکر طریقہ عموماً مرکزی شخصیت کی آمرانہ مطلق العنانی پر مبنی ہوتا ہے لیکن اس جمہوری دور میں سمجھدار لوگوں میں ایسے اشخاص بہت کم ہوں گے جو اسے برداشت کرسکیں، ایسی اطاعت صرف غیر معمولی عقیدت رکھنے والے ہی کرسکتے ہیں، معمولی معتقدین بھی اس زمانے میں اس حد تک جانے پر تیار نہیں ہوتے، اگر یہ حضرات اپنے رویہ میں ذرا اعتدال پیدا کرلیں اور کم از کم فروعی مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف رائے کو برداشت کرلیا کریں اور سنت شوریٰ کو زندہ کریں تو اس کی افادیت کا دائرہ بہت وسیع ہوجائے، گویا اس سے زیر بحث دونوں طریقوں کا ایک مرکب تیار ہوجائے گا جو دونوں کے فوائد کا جامع ہوگا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بقول ایک بزرگ کے بہت سے ایسے مسلمان حکمران جنھیں ہم ظالم وجابر کہتے ہیں، جس قدر شدید اختلاف وتنقید کو برداشت کرلیتے تھے آج بہت سے مبلغین اصلاح بلکہ خانقاہ نشین حضرات بھی اس سے خفیف تر اختلاف وتنقید کو نہیں برداشت کرسکتے۔

اختلافِ طرق کی قدر

کروڑوں افراد پر مشتمل امت، پوری زندگی پر چھایا ہوا دین، مختلف جہات سے فسق کا حملہ، ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے تو خدام دین کی طرز خدمات وخدمات کا اختلاف بالکل طبعی اور مناسب نظر آئے گا، کسی شخصیت یا جماعت کا یہ دعوی کہ جو خدمت وہ انجام دے رہی ہے یا جس طرز پر وہ خدمت دین کررہی ہے صرف وہی صحیح ہے، ایک غلط اور بے دلیل دعوی ہے جس کی تائید نہ عقل کرسکتی ہے اور نہ نقل۔ علیٰ ھٰذا کسی فرد یا اجتماع کا یہ دعوی کہ اس کی خدمات کا دائرہ پورے دین پر حاوی ہے اور دوسرے اشخاص کی خدمات جزوی حیثیت رکھتی ہیں اسی طرح غلط اور حدود سے متجاوز ہے، اپنی خدمت کو اہم اور دوسرے کی خدمت کو غیر اہم اور حقیر سمجھنا بھی اسی قسم کی غلط فہمی ہے، ان غلطیوں کا سبب تو درحقیقت ''تفرد'' کا شوق فراواں ہوتا ہے، جسے دینی محرک نہیں کہا جاسکتا۔ اس قسم کے دعوے اور خیالات باہمی تعاون اور اجتماعیت کے دشمن اور خادمان دین کے درمیان افتراق کا بیج بونے والے ہیں، دین کی جتنی خدمات ہورہی ہیں وہ سب اپنی جگہ ضروری اور مفید ہیں، ان کے اقسام وانواع میں کمی کے بجائے اضافے کی گنجائش اور حاجت ہے، ہر خادم دین کا (خواہ وہ فرد ہو یا جماعت) اصول یہ ہونا چاہئے کہ جو خدمت اور طرز خدمت شرعاً حدود جواز میں داخل ہے، اس کی ہمت افزائی اور قدر کی جائے، اس سے جزئی تعاون کیا جائے اور اپنی خدمت کو جاری

رکھتے ہوئے جتنی اعانت وامداد ممکن ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے، اگر خود اپنے اپنے رفقاء کے اندر کوئی ایسا نقص موجود ہو جسے مذکورہ بالا شخص (یا جماعت) کی امداد سے دور کیا جاسکتا ہے تو استعانت کی راہ میں وقار و پندار کو نہ حائل ہونا چاہئے، مختلف خدام دین اگر اس اصول پر عمل پیرا ہوں اور ایک دوسرے کے نقائص ومشکلات کو دور کرنے میں باہمی تعاون سے کام لیں تو انشاء اللہ ہر محاذ پر ''تقوی'' کو تقویت حاصل ہوگی۔

ہمہ گیری کی خواہش بھی اس جزئی تعاون سے مانع ہوتی ہے، یہ خواہش فی نفسہ کیسی ہی اخلاص پر کیوں نہ مبنی ہو اور کتنی ہی مستحسن کیوں نہ کہی جائے مگر کامیابی کو ''برات عاشقاں برشاخ آہو'' کا مصداق بنادیتی ہے، فتنوں کے ٹڈی دل کا مقابلہ اس قدر طویل محاذ پر ایک ہی فوج کیسے کرسکتی ہے؟ اور ایک ہی سپہ سالار ان سب کی قیادت کا فرض کیسے انجام دے سکتا ہے؟ خصوصا جب جنگ میں مختلف اقسام کی تدابیر و متنوع سامان حرب استعمال ہو رہا ہو اور ہر محاذ ماہرین خصوصی کا طلب گار ہو۔ خدمات کے ساتھ فطری مناسبتوں اور خود خدمات میں باہم مناسبتوں کے اختلاف نیز اصول کفایت قوت پر بھی نظر کیجئے تو تقسیم کار کے ساتھ جزئی تعاون ہی ایک ایسا راستہ دکھائی دیتا ہے جو منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔

مدافعت کے بجائے حملہ

''فسق'' کے مقابلہ میں ''تقوی'' کی شکست کے اسباب میں یہ سبب بھی بہت اہمیت رکھتا ہے کہ دین دار طبقہ کی کوششوں کا خاص مقصد اکثر مدافعت ہوتا ہے۔ تاریخ حرب شاہد ہے کہ وہ فوج کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس کا منتہائے نظر محض مدافعت اور بچاؤ ہو، غیر اسلامی ممالک میں تو اقدام کی راہ میں بہت سے موانع ہیں لیکن اسلامی ممالک میں یہ کام اس قدر مشکل نہیں، اسلام تو دنیا کی ہر قوت کو رضائے الٰہی کے لئے استعمال کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، ان عظیم الشان قوتوں کو فاسقوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینے کے کیا معنی؟ وقت کا تقاضا ہے کہ دین داران سب قوتوں کو بقدر امکان اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے جو دین کے فروغ میں معاون ہوسکتی ہیں بشرطیکہ ان کے استعمال میں کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تعلیمی نظام پر نظر پڑتی ہے، اگر دین دار طبقہ اس میں دخیل ہوجائے تو نتائج بہت ہی قابل قدر ہوں گے، اگر دینی اصول پر علوم جدیدہ کے مستقل ادارے (اسکول کالج وغیرہ) قائم کئے جائیں جو کلیۃً دین داروں کے قبضہ میں ہوں تو نور علی نور کا مصداق ہو، اسلامی حکومتوں کی انتظامی، دفاعی، تعلیمی اور مختلف شعبوں کی اعلی خدمت کے لئے دین دار اور قابل امیدوار تیار کرنا اور انہیں ان سروسوں کے امتحانات میں کامیاب بنانے کی کوشش کرنا بھی بہت مفید اور ضروری خدمت ہے۔ اسی طرح عوام کی قیادت اور سیاسی

خدمات کے لئے متقی اور فہیم اشخاص کی تربیت اپنی افادیت وحاجت کے لئے محتاج بیان نہیں ،اگر دین دار طبقہ ''فسق'' کے خلاف یہ حملہ آورانہ پوزیشن اختیار کرے اور باصطلاح حربیات ابتداء اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے تو جنگ کا پانسا پلٹ سکتا ہے اور فسق وفجور کو پسپائی وشکست کا مزہ چکھایا جاسکتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کمزوریوں کی تشخیص میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو لیکن یہ غلطی قابل عفو ہے، اس لئے مجھے امید ہے کہ ہمارا دین دار طبقہ میری ان معروضات پر غور کرے گا، میری گذارش صرف اتنی ہے کہ ان معروضات کو مخلصانہ اور خیر خواہانہ سمجھ کر ان پر غور ضرور فرمایا جائے، عمل تو پھر بھی اپنے اختیار ہی میں رہے گا، مسئلہ بہت اہم ہے، سوال امت کی موت وزیست کا ہے، اس کا شدید تقاضا ہے کہ فکر کے اولین موقع کو بھی نہ ضائع کیا جائے۔ وما اریدالا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

☆☆☆

دعائے مغفرت کی درخواست

ناچیز مدیر الفرقان نے بالکل بچپن سے جن لوگوں کو اپنے والد ماجد، بلکہ اپنے پورے گھرانے سے اس طرح وابستہ دیکھا؛ جیسے وہ گھر ہی کے فرد ہوں، ان میں سے ایک تھے حافظ محمد سمیع اللہ صدیقی صاحب، جو ادارۂ الفرقان کے کارکن تھے۔ بڑے ہی مخلص، ہر پہلو سے قابل اعتماد، حلیم الطبع، محنتی، اور صالح طبیعت کے آدمی تھے، پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ وہ ادارے کے کارکن نہیں رہے، مگر گھر کے ہر چھوٹے بڑے کے لئے محبت اور احترام کے مستحق وہ زندگی کے آخری لمحوں تک رہے ـــــ ۹ جون ۲۰۱۲ء کو آخر شب میں ایک لمبی علالت کے بعد وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے ـــــ قارئین کرام سے ان کے لئے دعاؤں کے اہتمام کی گذارش ہے ـــــ جی تو چاہتا ہے کہ ان کا کچھ تفصیلی تذکرہ کروں، شاید آئندہ شمارے میں کچھ لکھ سکوں ـــــ مدیر

جناب مولانا سید محمد طلحہ قاسمی مدظلہٗ
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے
اور
اتباع سنت کی طرف بھی توجہ دیں

[حضرت مولانا سید محمد طلحہ قاسمی صاحب مدظلہٗ (خلیفہ حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم) نے اعظم گڈھ یوپی کے مختلف مقامات کا حال ہی میں دورہ کیا تھا، اس سفر میں قرآنیات کی مشہور درسگاہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں بھی ان کا خطاب ہوا، جس میں حضرات اساتذۂ کرام اور طلبہ کی کثیر تعداد بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئی۔ ذیل میں وہی خطاب پیش کیا جارہا ہے معروفی]

حمد وصلوٰۃ کے بعد:

اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى ۝٦ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝٧ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۝٨ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

حضرت صدر اجلاس! حضرات اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ! سب سے پہلے آپ کا یہ مہمان اپنے دل کے اس احساس کا اظہار کررہا ہے کہ یہ آپکے درمیان ایک معمولی سا طالب علم بن کر آیا ہے، مدرسۃ الاصلاح سے زمانہ طالب علمی سے قرآن کی بنیاد پر عقیدت اور محبت کا ایک رشتہ قائم تھا، اس عاجز کو حق تعالیٰ نے بالکل ابتدائی عمر سے اپنی اس کتاب قرآن پاک کا طالب علم بنایا تھا اور جہاں کہیں قرآن کے سلسلہ میں کوئی خدمت انجام دی گئی ہے اس مقام کو دیکھنے کا بھی جی چاہتا تھا، اللہ نے بڑا فضل واحسان فرمایا کہ طویل انتظار کے بعد بالآخر صبر وانتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور آج اللہ نے مدرسۃ الاصلاح کی اس مسجد میں حاضر

ہونے اور قلبی احساسات کے اظہار کا موقع نصیب فرمایا۔ آپ کا یہ مہمان، ایک ادنی سا طالب علم کوشش کریگا کہ آج آپ سے جو کچھ بھی عرض کرے وہ صرف اور صرف قرآن پاک کے حوالے سے عرض کرے۔

سورۂ والضحیٰ کا پس منظر

یہ سورۂ والضحیٰ جس کی بابرکت تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا، یہ مکہ مکرمہ میں بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورہ ہے، اس کا ایک خاص پس منظر ہے جو کم از کم آپ علماء اور طلبہ کو بتانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، آپ حضرات بخوبی واقف ہیں، میں تو صرف اپنا سبق دہرانے کی نیت سے سنانے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے ابتدائی دور میں ایک دور ایسا گذرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت دو عالم ﷺ پر وحی کا سلسلہ روک دیا، طویل عرصہ تک وحی نہیں نازل ہوئی، اس ایک واقعہ کو مکہ والوں نے دوسری نظر سے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور حضرات صحابہ کرامؓ کو دوسری نظر سے دکھایا، واقعہ ایک ہی تھا، مکہ والوں نے یہ تبصرہ کرنا شروع کیا کہ محمد کا رب محمد سے ناراض ہوگیا ہے، کسی نے نعوذ باللہ آگے بڑھ کے کہا کہ محمد کے شیطان نے محمد کا ساتھ چھوڑ دیا، آپ کی سگی چچی ابولہب کی بیوی نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا محمد! مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے شیطان نے تمہارے پاس آنا بند کردیا۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں تو میرا جی چاہتا تھا کہ کسی پہاڑ پر جا کر اپنے کو گرادوں، جان دے دوں، اپنے کو ختم کردوں کہ میرا رب مجھ سے کیوں روٹھ گیا ہے اللہ نے اپنا پیغام بھیجنا کیوں بند کردیا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ آپ تشریف لے گئے اور جب آپ نے ارادہ کیا کہ آپ پہاڑ کی چوٹی سے اپنے کو نیچے گرادیں تو سیدنا جبرئیلؑ آئے، آپ کو تسلی دی اور سمجھا بجھا کر واپس کیا، آپ واپس آگئے لیکن وحی نہیں نازل ہوئی، وحی کا رک جانا ہی کیا کم تھا اوپر سے مکہ والوں کے یہ تبصرے، طویل عرصہ گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو پیغام بھیجا وہ یہ تھا: ''وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢

اللہ تعالی نے دنیا کے اوقات کو دو حصوں میں بانٹا ہے، یہاں نہ ہمیشہ رات ہوتی ہے نہ ہمیشہ دن ہوتا ہے، کبھی رات ہوتی ہے کبھی دن ہوتا ہے، کبھی رات کا اندھیرا ہوتا ہے، کبھی دن کا اجالا ہوتا ہے، اور دن کے اجالے کو اللہ تعالی نے چستی، نشاط اور توانائیوں کے لئے بنایا ہے اور رات کی تاریکی میں اعضاء خود بخود مضمحل ہونے لگتے ہیں، اور اعضاء کا مضمحل ہونا بھی ضروری ہے،

اب دیکھئے! ایک ہی بات ہے، اس کو مکہ والوں نے اس نظر سے دیکھا کہ اللہ ناراض ہو گئے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے رب نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، لیکن اللہ فرمارہے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ جس طرح دن بھر کے تھکے ہوئے مسافر کو رات آرام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، چونکہ آپؐ پر وحی کا ایک بھاری بوجھ اللہ تعالیٰ نے ڈالا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ⑤'' ہم آپ پر ایک بہت وزنی بھاری بھرکم کلام اتارنے والے ہیں، ابھی آپؐ کو اس کی مشق نہیں تھی، ابھی ابتدائی دور تھا، اس لئے کچھ دنوں تک اللہ نے وحی کا سلسلہ روکا تھا کہ آپؐ کو کچھ آرام کا موقع مل جائے، آپ کے روحانی قویٰ مضبوط ہو جائیں، وحی کے لئے متحمل ہو جائیں، وحی کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اور جس طرح دنیا میں ہمیشہ ایک جیسا وقت نہیں ہوتا، کبھی اندھیرا ہوتا ہے، کبھی روشنی ہوتی ہے، اسی طرح قوموں کے ساتھ بھی اللہ کا ایک جیسا معاملہ نہیں ہوتا، کبھی اللہ ہدایت کی روشنی عام کر دیتے ہیں، کبھی گمراہی کے راستے عام کر دیتے ہیں، جس میں ساری قومیں اور ملّتیں دب جاتی ہیں، چھپ جاتی ہیں، بند ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں حق و باطل کی کشمکش میں کبھی حق کا غلبہ ہو جاتا ہے، کبھی باطل کا غلبہ ہو جاتا ہے اور حق مغلوب نظر آتا ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے منصوبے اور ہماری پالیسی کے خلاف نہیں ہے، یہ ہمارا سوچا سمجھا منصوبہ ہے ''ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ'' یہ اللہ کا بنایا ہوا منصوبہ ہے، اس کی غرض و غایت کا علم اللہ ہی کو سب سے زیادہ ہے، اور کوئی اللہ کو بے بس اور مغلوب نہیں کر سکتا، ایسا نہیں ہے کہ شیطان نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اللہ کو بے بس اور مجبور کرنے پر قادر ہو جاتا ہے، ہاں کبھی اللہ تعالیٰ شیطان کو ڈھیل دے دیتے ہیں، اور کبھی اللہ تعالیٰ شیطان کے اختیار سلب کر دیتے ہیں، اس کو بے بس بنا دیتے ہیں۔

لیکن جو اہم بات ہے، جو بتلانے کی بات ہے، وہ یہ ہے کہ ''مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ③'' مکہ والے اس واقعہ کو غلط نقطۂ نظر سے دیکھ رہے ہیں، نہ آپ کے رب نے آپکو چھوڑا ہے، نہ آپ کا رب آپ سے ناراض ہوا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ''وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ④'' آپ ذرا اپنی پچھلی زندگی پر نظر ڈال کے دیکھئے کیا اللہ کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو اس طرح دست گیری فرماتے ہیں؟ ان کی اس طرح نگہ بانی فرماتے ہیں جس طرح آپ کے ساتھ اللہ کا معاملہ شروع سے اب تک رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ آپ کی بعد کی زندگی پہلی زندگی سے بہتر ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی آخرت کو آپ

کی دنیا سے بہتر بنایا۔ چنانچہ ان آیات کریمہ کے نازل ہونے کے بعد پوری نبوی زندگی میں ہر بعد میں آنے والا دن پہلے دن سے بہتر ہوتا گیا۔

پھر فرمایا: ''وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰٓ ۝٥'' آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے، یہ دنیا کے خزانوں کا وعدہ نہیں ہے، یہ تو اعلان ہے اس بات کا کہ آنے والے دنوں میں جس طرح پورے معاشرے میں صالح تبدیلی دیکھو گے اس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی نے آپ کو ساری دنیا کے لئے مجسم رحمت بنا کر بھیجا ہے، اللہ تعالی نے خود ارشاد فرمایا ''وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ ۝١٠٧'' ہم نے تو آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت بنایا ہے۔

ہم یہ سوچیں کہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ساری دنیا کو جہنم سے بچائیں اور اگر ہم خود جہنم کے راستے پر چلنے لگیں تو کیا ہوگا؟ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ساری دنیا کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں پر چلائیں، اور اگر ہماری زندگیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو تلاش کرنا پڑے؟ اگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے اوپر عمل نہ کریں اور اس کی تاویلیں کرنے لگیں، اس کے لئے علمی دلائل پیش کرنے لگیں تو کیا ہوگا؟ کتنا دل دکھے گا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا؟ میں آپ کو وعیدیں سنانے کے لئے نہیں آیا ہوں، میں آپ کو ڈرانے کے لئے نہیں آیا ہوں، یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم سوچیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل کن باتوں سے دکھتا ہے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آیا، امریکہ میں ایک فوجی افسر کسی زمانے میں اسلام کے کٹر دشمن ہوا کرتے تھے، آپ کو خوب معلوم ہے کہ وہ لوگ جن کی گھٹی میں اسلام دشمنی پڑی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی ہدایت سے مسلسل نواز رہے ہیں۔ جیلوں کے اندر متعین فوجی تھے جن کا کام ہی تھا جیل میں بند جیالوں کو ستانا اور سزائیں دینا، ان کے صبر وعزیمت کو دیکھ کر کے کتنوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے آشنا کر دیا، ایک بڑے فوجی افسر کو اللہ تعالی نے ہدایت دی، ہدایت ملنے کے بعد ان کا چہرہ بدل گیا——— انہوں نے سنت کے مطابق ایک مشت سے زیادہ داڑھی رکھی، چونکہ ایسے موقع پر ہم جیسے جو پرانے مسلمان ہوتے ہیں ان کو شرم آنے لگتی ہے، اس لئے کہ اگر دوسرے کی دیوار اونچی ہوگئی تو ہماری دیوار چھوٹی نظر آئیگی، اگر دوسرے کی زندگی میں سنت آ گئی تو ہماری سنتوں سے محروم زندگی صاف نظر آئیگی، اگر دوسرے کے گھر میں اجالا ہو گیا تو

ہماری تاریکی نظر آئیگی ،اس لئے ایسے موقع پر الٹی چال چلی جاتی ہے، بجائے اس کے کہ ہم اپنی اصلاح کریں ، کہتے ہیں کہ ان میں کیا رکھا ہوا ہے، یہ سنت ہی تو ہے۔ چنانچہا مریکہ کے جو پرانے مسلمان تھے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ داڑھی رکھنا ضروری نہیں، کسی نے کہا کہ تھوڑی سی رکھ لو، دور سے نظر آجائے بس کافی ہے، کسی نے کہا واجب نہیں ہے، فرض نہیں ہے، صرف سنت ہے، اس نے کہا مجھے یہ بتلاؤ کہ اللہ کے نبی ﷺ کی داڑھی کتنی بڑی تھی، سب خاموش ہو گئے، اس نے کہا دیکھو بھائی میں ہوں فوجی، تم لوگ پرانے مسلمان ہو، خاندانی مسلمان ہو، یہ فرض وسنت نفل یہ کٹیگری تو تم سمجھو، میں تو ایک فوجی آدمی ہوں ایک بات جانتا ہوں کہ کمانڈر کہے کہ فائر کرو تو میں گولی چلاتا ہوں، کمانڈر کہے کہ میں فائر بند کروں تو میں خاموش کھڑا ہو جاتا ہوں، چاہے میری جان چلی جائے، میں نے اپنے دنیا کے معمولی سے کمانڈر کی، چند ٹکوں کی خاطر اتنی بات مانی ہے، اور اب میں نے اپنی زندگی کا کمانڈر محمد رسول اللہ ﷺ کو مانا ہے، میں نہیں جانتا کہ فرض کیا ہے، واجب کیا ہے، مستحب کیا ہے، میں اتنا جانتا ہوں کہ میرے نبی ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے اور میں اس پر عمل کرونگا۔

میں ایک مرتبہ ٹرین میں سفر کر رہا تھا اور کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا، راستے میں ایک جگہ ٹرین رکی، ائر کنڈیشن ڈبہ تھا، بھیڑ بھاڑ ہوتی نہیں تھی، بازو کی سیٹ خالی تھی، ایک صاحب آکر بیٹھ گئے، انہوں نے دیکھتے ہی کہا آپ مولوی صاحب ہیں؟ میں نے کہا جی فرمایئے، میں آپکی کیا خدمت کروں؟ کہنے لگے میں آپ کو پڑھنے نہیں دونگا، میں نے کتاب بند کر دی، اور کہا کہ آپ فرمایئے ! کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا بہت دنوں سے میرا دل چاہتا تھا کہ کسی مسلمان اسکالر سے ملاقات ہو جائے، میرے دل میں کچھ سوالات ہیں، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، وہ ایک پڑھے لکھے غیر مسلم تھے، میں نے کہا ٹھیک ہے، میں کتاب بند کر دیتا ہوں، میرا کام ہے اللہ کے بندوں کی خدمت کرنا، میں پڑھ رہا تھا اللہ کو راضی کرنے کیلئے اور اب میں نے کتاب بند کر دی آپکی خدمت کے لئے ،انہوں نے کچھ سوالات کرنے شروع کر دیئے، میں نے کہا ہم دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں تو انشاء اللہ گفتگو کا فائدہ ہوگا، میں نے ان سے تعارف حاصل کیا تو وہ ایک فوجی آدمی تھا، ناسک میں انکی ڈیوٹی تھی، ناسک اسٹیشن پر بمبئی جانے کے کیلئے بیٹھے تھے، کہنے لگے میرے کمانڈر کا کال آیا ہے، انہوں نے فوری طور پر مجھے دہلی طلب کیا ہے، اسلئے میں ابھی بمبئی جا رہا ہوں، بمبئی سے فلائٹ سے میں دہلی روانہ ہو جاؤں گا ۔انہوں نے ایک سوال

کیا، انہوں نے کہا کہ یہ بتلایئے کہ نماز پانچ وقت کیوں ہے؟ چار وقت کیوں نہیں ہے؟ تین وقت کیوں نہیں ہے؟ چھ وقت کیوں نہیں ہے؟ پانچ وقت کیوں ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اور خاص طور سے ایک غیر مسلم کو آپ کیا جواب دیں گے؟

میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے دنیا میں کوئی انسان بھی یہ سوال کرے اس کو حق ہے، آپ کو حق نہیں ہے، آپ کی جو پوزیشن ہے اور آپ کی جو حیثیت ہے آپ کی زبان سے یہ سوال اچھا نہیں لگتا، انہوں نے کہا کیوں؟ میں نے کہا کہ آپ یہ بتلایئے کہ آج آپ کے کمانڈر کا کال آیا تو آپ نے یہ اطمینان کیا کہ یہ کال آپ کے کمانڈر کی ہے کسی اور کی تو نہیں ہے؟ کہنے لگے جی ہاں میں نے یہ اطمینان کر لیا، جب یہ اطمینان ہو گیا، تو کیا آپ نے اپنے کمانڈر سے پوچھا کیا آج ہی آنا ضروری ہے؟ اور میرا ہی آنا ضروری ہے؟ کوئی اور آجائے تو کیا کام نہیں ہوگا؟ آپ نے یہ پوچھا؟ کہنے لگے نہیں، میں نے نہیں پوچھا، میں نے کہا بحیثیت فوجی آپکے پوچھنے کا یہ حق ہے؟ تو انہوں نے کہا بالکل حق نہیں ہے، میں کہا پھر اس پر گفتگو مت کیجئے کہ نماز چار وقت کیوں نہیں اور چھ وقت کیوں نہیں، پانچ وقت کیوں ہے، گفتگو اس پر کیجئے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے یا نہیں؟ اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی ہیں یا نہیں؟ اس پر گفتگو کیجئے، جب آپ کا دل مطمئن نہ ہوتا ہو تو آپ جو چاہے کریں آپ آزاد ہیں، اور جس دن آپ نے یہ مان لیا کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور جس دن آپ نے مان لیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اسی دن آپ کو اپنے سارے اختیارات سے دست بردار ہو جانا پڑیگا، اب محمد رسول اللہ ﷺ کمانڈر ہیں، اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ پوچھے کہ آپنے یہ حکم کیوں دیا، یہ حکم کیوں نہیں دیا؟

میں اپنے عزیز طلبہ سے پوچھتا ہوں کہ یہ گفتگو درست ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کسی کو کوئی غلطی نظر آئے تو تو وہ کھڑا ہو جائے اور کہے کہ اس گفتگو میں اس جگہ سقم ہے، یہ صحیح نہیں ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ کی خاموشی تائید ہے کہ آپ کو اس میں کہیں غلطی نظر نہیں آرہی ہے، چنانچہ اس نومسلم کے جواب میں یہی بات کہی تھی کہ جب تک تم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی کا کمانڈر نہیں مانتے اس وقت تک تم آزاد ہو، جس دن زندگی کا کمانڈر ان کو مان لیا اس دن سے تمہارے اختیارات ختم ہو جائیں گے، کیا ہمارے اور آپ کے لئے اس کے بعد پسند کرنے اور نہ کرنے کے اختیارات باقی ہیں؟ اگر اس کے بعد بھی اختیارات کو باقی مانا جائے تو پھر کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی! پڑھ لکھ کر بھی ہماری جہالت نہ ختم ہو تو پھر آخر جہالت کہاں دور

ہوگی؟ ہدایت کس چیز کا نام ہے؟ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ پر جتنی روحانی نعمتیں نازل فرمائی ہیں ان سا ری نعمتوں سے بہرہ ور ہوجانا، ان ساری نعمتوں سے مستفیض ہوجانا، ان ساری نعمتوں سے اپنا حصہ حاصل کرلینا، اسی کا نام تو ہدایت ہے ان ساری چیزوں کو ملا کر اللہ نے قرآن کو نازل کیا ہے۔

ایک قرآن کا طالب علم اگر صرف قرآن کے الفاظ یاد کرلے اور وہ قرآن کے معانی سے واقف نہ ہو تو کیا اس کو قرآن کا طالب علم کہا جا سکتا ہے؟ قرآن کا طالب علم اگر قرآن کے الفاظ کے معانی صرف ڈکشنری میں دیکھ لے اور اس کے مواقع سے واقف نہ ہو کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تھی، کس پس منظر میں نازل ہوئی تھی، کن حالات میں نازل ہوئی تھی، کیا واقعہ پیش آیا تھا، اس میں کس سوال کا جواب دیا گیا ہے، تو کیا اس کو قرآن کا طالب علم کہا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ جتنی چیزیں نازل فرمائی ہیں جب ہمیں اپنا حصہ ان سب میں نہ ملے اس وقت تک ہم کو قرآن کا طالب علم تو نہیں کہا جا سکتا۔ آیئے قرآن ہی میں تلاش کریں اللہ تعالی نے کیا کیا نازل فرمایا ہے؟ قرآن کے الفاظ اللہ نے نازل فرمائے، اللہ تعالی نے قرآن کے الفاظ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ'' اللہ تعالی نے قرآن پاک کے الفاظ نازل فرمائے، پھر سورۂ قیامہ کی وہ آیات کریمہ جن میں اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ سے ارشاد فرمایا: ''لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾'' ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، ایک تو اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ ان الفاظ کو ہم نے اتارا ہے اور ان الفاظ کو ہم آپ کو پڑھائیں گے، سکھائیں گے، یاد کرائیں گے اور اس طرح یاد کرائیں گے کہ آپ کو بھولنے کا خطرہ نہیں رہیگا، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا: ''ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ'' ان الفاظ کے معانی بھی آپ کو سکھائیں گے، تو ایک قرآن کے الفاظ ہوئے اور ایک قرآن کے معانی ہوئے، ان کے ساتھ ایک اور چیز اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمائی تھی، سورۂ احزاب کا مطالعہ کریں، اللہ تعالی نے ازواج مطہرات سے ارشاد فرمایا: ''وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ'' تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور جس حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے آپس میں تم ان کا مذاکرہ کیا کرو، معلوم ہوا کہ حکمت بھی اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمائی تھی اور آپ کے گھروں میں اس حکمت کی تلاوت کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ

اپنی مجالس میں اس حکمت کی تعلیم دیا کرتے تھے ارشاد فرمایا: ''كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو بنیادی مقاصد ہیں ان میں ایک تعلیم کتاب اور تعلیمِ حکمت بھی ہے، تو حکمت بھی اللہ تعالی نے نازل فرمائی، تو یہ تین چیزیں ہوگئیں، ایک قرآن کے الفاظ، دوسرے قرآن کے معانی اور تیسرے قرآن کی حکمت۔ یہ الفاظ بھی منزل من اللہ ہیں، یہ معانی بھی منزل من اللہ ہیں، یہ حکمت بھی منزل من اللہ ہے۔ ایک اور چیز بھی ہے جس کو اللہ تعالی نے قرآن پاک کے ساتھ نازل فرمایا، ارشاد فرمایا: ''قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ'' قرآن کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یہ عطف بیان ہے، یہ عطف تفسیری ہے، یعنی جو نور ہے وہی قرآن ہے، اللہ تعالی نے قرآن کے ساتھ ایک نور اتارا ہے۔

کسی کو یہ شبہہ نہ ہو کہ ان ہی الفاظ کو نور کہہ دیا گیا ہے، ان ہی معانی کو نور کہہ دیا گیا ہے، ان ہی توضیحات اور تشریحات کو نور کہہ دیا گیا ہے، اسی حکمت کو نور کہہ دیا گیا ہے، اس شبہہ کو دور کرنے کے لئے دوسری جگہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ''فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ'' الگ سے اللہ نے اس کا تذکرہ فرمایا کہ یہ ایک نور ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے۔

یہ نور قلب کے اندر آتا ہے، اور یہی نور ہے جو قیامت کے دن ہماری رہبری کریگا: ''يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ'' مومن اور منافق میں کیا فرق ہے؟ کیا منافق پڑھے لکھے نہیں ہوتے تھے؟ کیا منافقین اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ جہاد میں شرکت نہیں کرتے تھے؟ کیا وہ بادل ناخواستہ چندہ نہیں دیتے تھے؟ کیا وہ صدقہ نہیں کرتے تھے؟ کیا منافقین ظاہر میں ہماری طرح نہیں نظر آتے تھے؟ پھر فرق کیا ہے؟ اللہ نے کہا کہ فرق دل کے نور کا ہے، منافق زبان سے قرآن بھی پڑھتا ہے، منافق مسجد میں نماز بھی پڑھتا ہے، منافق حافظ بھی ہوتا ہے، منافق عالم بھی ہوتا ہے، منافق تحریکی میدان میں بھی کام کرتا ہے، منافق تبلیغ بھی کرتا ہے، لیکن منافق کا دل نور قرآن سے خالی ہوتا ہے، منافق کا دل نور علم سے خالی ہوتا ہے، منافق کا دل نور ایمان سے خالی ہوتا ہے، اللہ ہمارے دلوں کو ظلمتوں سے محفوظ فرمائے، اور اللہ ہم کو ایمان اور اعمال کا نور عطا فرمائے، اللہ تعالی نے فرمایا دنیا میں سب ملے جلے رہتے ہیں، قیامت کے دن الگ الگ ہوجائیں گے، اس لئے کہ قیامت کے دن جنت کی

رہنمائی یہی نور کرے گا، ''يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭'' اللہ اس غرور سے ہماری حفاظت فرمائے، اللہ شیطان کے دھوکوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

تو اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ پر چار نعمتیں نازل فرمائی ہیں، قرآن کے الفاظ، قرآن کے معانی، قرآن کی حکمت، قرآن کا نور، جس کو یہ چاروں نعمتیں ملتی ہیں وہ قرآن کا طالب علم بنتا ہے، جس کو اس میں سے کوئی ایک نعمت بھی نہیں ملتی وہ قرآن کا ادھورا طالب علم بنتا ہے اور ادھورا بننے سے اللہ ہماری حفاظت فرمائے اللہ ہمیں کمال نصیب فرمائے۔ اللہ تعالی نے یہ سب کچھ کیوں نازل فرمایا اور اللہ کے رسول ﷺ نے کیا فائدہ اٹھایا؟ ایک ڈاکٹر کے پاس بہت بڑا اسٹاک ہے، اس کے پاس ڈگریاں بھی بہت زیادہ ہیں، لیکن وہ اپنے پاس آنے والے مریضوں سے کچھ باتیں تو کرتا ہے، ان کی خیریت تو پوچھتا ہے، ان کے حالات اور ان کے گھر کے حالات بھی پوچھتا ہے لیکن ان کا علاج نہیں کرتا تو وہ اچھا ڈاکٹر نہیں ہوسکتا، وہ کامیاب ڈاکٹر نہیں ہوسکتا، اللہ کے نبی ﷺ کو یہ نعمتیں ملیں تو آپ نے ان سے کیا فائدہ اٹھایا؟ آپ اپنے پاس آنے والوں کا ان کے ذریعہ سے تزکیہ فرماتے تھے، آپ ان کے نفوس کو پاک وصاف کرتے تھے۔

نفس کی تین حالتیں

کیا ہم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں نفس کی تین حالتوں کا تذکرہ کیا ہے، سیدنا یوسفؑ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ''وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ'' میں اپنے کو بہت پاک وصاف نہیں کہتا، نفس کا کام ہی ہے برائیوں کا حکم دینا، قرآن نے بتلایا کہ ہر ایک کا نفس ابتدائی مرحلہ میں نفس امارہ ہوتا ہے، کیا ہم نے سورۂ قیامہ میں نہیں پڑھا، اللہ تعالی نے فرمایا کہ ''لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ'' جب اس کے حالات بدلتے ہیں تو یہ امارہ نہیں رہ جاتا، لوامہ ہوجاتا ہے، اور پھر کیا ہم نے سورہ فجر میں نہیں پڑھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي'' یہ نفس امارہ نفس لوامہ اور پھر نفس مطمئنہ کیسے بن جاتا ہے؟ خود بخود تو نہیں بن جاتا، خود بخود تو گیہوں کا ایک دانہ

بھونسے سے باہر نہیں نکلتا، خود بخود تو چاول کا ایک دانہ اپنے چھلکے سے باہر نہیں نکلتا، خود بخود تو زمین سے نکلنے والا کوئی پودہ بھی صاف ستھرا نہیں بنتا، نفس کو بھی اللہ تعالی نے زمین سے بنایا ہے اور زمین کی یہ خصوصیت ہے کہ زمین سے جو چیز نکلتی ہے وہ صاف کئے بغیر قابل استعمال نہیں ہوتی، زمین سے جو بھی نکلتا ہے وہ صاف کئے بغیر قابل استعمال نہیں ہوتا، زمین سے جو بھی نکلتا ہے وہ صاف کئے بغیر کھانے کے قابل نہیں ہوتا، زمین سے چاول نکلتا ہے، دھان پیدا ہوتا ہے، وہ صاف کئے بغیر کھانے کے قابل نہیں ہوتا، زمین سے مولی نکلتی ہے وہ صاف کئے بغیر استعمال کے قابل نہیں ہوتی، زمین سے کاربن نکلتا ہے وہ صاف کئے اور پالش کئے بغیر استعمال کے قابل نہیں ہوتا، زمین سے پٹرول نکلتا ہے وہ فلٹر کئے بغیر استعمال کے قابل نہیں ہوتا، تو اسی زمین سے اللہ نے ہمارا نفس بنایا ہے یہ بھی صاف کئے بغیر اللہ کے یہاں کوئی مقام نہیں پاتا، نفس کی اس صفائی کا نام ہے تزکیہ، جو بنیادی مقصد تھا انبیاء کرامؑ کی بعثت کا۔ کون اپنے آپ کو تزکیہ سے مستثنی کرسکتا ہے؟ اس تزکیہ کے بعد، تزکیہ کی اس محنت کے بعد، اللہ تعالی نفس امارہ کو نفس مطمئنہ بناتے ہیں۔

جب نفس کا تزکیہ ہوجاتا ہے تو پھر اس میں اللہ کی محبت کی بہار آجاتی ہے، پھر وہ ہر وقت اللہ کو یاد کرتا ہے ۔۔۔ اصل میں ہماری زندگیوں میں سنتوں کی کمی کیوں آتی ہے؟ اللہ کی یاد کی کمی کی وجہ سے، سنتوں کا اہتمام وہ کرنہیں سکتا جس کے دل میں اللہ کی یاد نہ ہو، اور اللہ کی یاد ایسی چیز نہیں ہے کہ وہ تھوڑی بھی ہو تو کام چل جائے گا، قرآن کے طالب علمو! قرآن کو غور سے پڑھو، اللہ تعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا کوئی بھی محنت تھوڑی سی کافی ہوگی لیکن ذکر تھوڑا سا کافی نہیں ہوگا، اللہ تعالی نے جب ذکر کا حکم دیا تو کثرت کی شرط لگائی، فرمایا: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا'' پورے قرآن میں آپ مجھے کوئی ایک آیت بھی بتلایئے جہاں اللہ نے فرمایا ہو: ''اقیموا الصلوٰۃ کثیرا'' ''اتوا الزکوٰۃ کثیرا'' نماز کے ساتھ اللہ تعالی نے کثرت کی شرط نہیں لگائی، زکوٰۃ کے ساتھ کثرت کی شرط نہیں لگائی، ''صوموا کثیرا'' اللہ نے کہیں نہیں فرمایا ''جاھدوا فی سبیل اللہ کثیرا'' اللہ نے کہیں نہیں فرمایا، ''قاتِلوا فی سبیل اللہ کثیرا'' اللہ تعالی نے کہیں نہیں فرمایا، لیکن جب جب اللہ تعالیٰ نے ذکر کا تذکرہ فرمایا تو کثرت کی شرط لگادی اور یہ کثرت سے ذکر کتنا ہو؟ اتنا ہو کہ زبان نہیں بلکہ قلب ذاکر ہوجائے قلب کی غفلت دور ہوجائے، اس لئے کہ ذکر کا مقام قلب ہے، غفلت کا مقام قلب ہے، اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: ''وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ'' اور جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے، اس کی علامت

یہ ہے کہ اس کی زندگی میں اتباع ہویٰ ہوتی ہے۔ سورۂ محمد پڑھیے! اللہ تعالی نے فرمایا وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ ہدایت دیتے ہیں، وہ کون لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ مہر لگا دیتے ہیں، فرمایا: ''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾'' وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے، ان کے دلوں کی مہر نظر نہیں آتی، لیکن ان کی زندگی میں جو نمایاں علامت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔ یہ اتباع ہویٰ اس کا لازم ہے، یہ کینسر سے زیادہ خطرناک ہے، یہ ایڈس سے زیادہ خطرناک ہے، یہ انسان کو ایمان سے محروم کردیتی ہے، اور اگر خدانخواستہ ایمان سے محرومی ہوگئی تو ہماری ڈگریاں قبر میں کام نہیں آئیں گی، حشر میں کام نہیں آئیں گی۔

پھر ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ'' جو ہدایت والے ہوتے ہیں اللہ ان کو تقوی عطا فرمادیتے ہیں، تو تقوی ہدایت کی علامت ہوا اور اتباع ہویٰ دلوں پر مہر لگا ہوا ہونے کی علامت ہے، اور یاد رکھئے جب تک دل کی غفلت نہیں دور ہوگی اور جب تک گناہوں کا کھوٹ رگ وریشہ سے نہیں نکلتا، اس وقت تک نماز کی حیثیت اٹھک بیٹھک سے زیادہ نہیں ہوتی، اس وقت تک وسوسوں سے خالی اور خشوع والی اور احسان والی نماز نصیب نہیں ہوتی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالی نے بار بار حکم دیا: ''أَحْسِنُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ'' کون طے کرے گا احسنوا کا معنی؟ ہم طے کریں گے یا اللہ طے کرے گا، ہم طے کریں گے یا اللہ کے نبی ﷺ طے کریں گے؟ ہم بڑی آسانی سے اپنی اردو زبان میں اس کا یہ ترجمہ کرکے گذر جاتے ہیں کہ اچھے بن جاؤ، نیک بن جاؤ، اچھے بندوں کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں، کیا اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر احسان کے یہی معنی اتارے ہیں؟ سیدنا جبرئیل امین نے نبی ﷺ سے سوال کیا: ''**ماالاحسان یارسول اللہ**'' اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: ''**ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک**'' یہ ہے اس احسان کا معنی جس احسان کا قرآن مطالبہ کررہا ہے۔ جب تک یہ احسان کسی کی زندگی میں نہیں آتا وہ قرآن کا طالب علم کیسے بن سکتا ہے؟ وہ قرآن کا محقق ہوسکتا ہے، وہ قرآن کو لکھ پڑھ سکتا ہے، وہ قرآن کا طالب علم نہیں ہوسکتا، اس کو قرآن سے اپنا حصہ نہیں ملا، اس کو قرآن سے اپنا مطلوب حاصل نہیں ہوا۔

اس احسان کو زندگی میں لانے کا کیا طریقہ ہے؟ کیسے آئے گا یہ احسان؟ احسان کی یہ صفت

کثرت ذکر سے حاصل ہوتی ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالی نے ایمان والوں کی الگ الگ صفات ذکر فرمائی ہیں، کسی صفت کے ساتھ کوئی اضافی شرط نہیں لگائی، لیکن جب ذکر کا تذکرہ کیا تو ایک اضافی شرط لگائی: ''إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ'' یہاں تک کہیں کوئی اضافی شرط نہیں لیکن آگے فرمایا: ''وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ'' تو ذکر کی کثرت مطلوب ہے یا نہیں مطلوب ہے؟ اب اگر کوئی اسی کی دعوت لے کر پوری دنیا میں پھرے تو اسے بدعتی کہا جائے گا؟

اللہ تعالی نے کثرت ذکر کا حکم دیا ہے، کثرت ذکر کے نتیجہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا اتباع زندگی میں آتا ہے، اسی لئے سورۂ احزاب میں اللہ تعالی نے فرمایا: ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' اللہ کے رسول کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے لیکن اس کو اپنے لئے نمونہ کون بنائے گا؟ ''لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا'' جس کا اللہ پر یقین ہوگا اور آخرت پر یقین ہوگا اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے گا وہی اسوۂ نبوی کا اتباع کر پائے گا۔

جی تو چاہتا ہے کہ ان طلبہ کے سامنے یہ عاجز یہ فقیر اپنا دل کھول کے رکھ دے اور قرآن کے سلسلہ میں اپنے بڑوں اور بزرگوں کے جتنے سبق یاد کئے ہیں آموختہ سنانے کی نیت سے آپ کو سب سنا دے، لیکن میں آپ کے صبر کا بہت دیر تک امتحان لے چکا ہوں، اللہ مجھے بھی قرآن کا طالب علم بنائے، آپ کو بھی قرآن کا طالب علم بنائے، آج سچی پکی نیت کریں کہ قرآن سے ہدایت حاصل کریں گے۔ اللہ کو کثرت سے یاد کریں گے، قرآن کے نور کو دل میں بسائیں گے، دل کی تاریکیوں کو نکالیں گے۔ اور اس کے لئے اہل ذکر سے محبت کریں گے ان سے تعلق جوڑیں گے، اور اپنے دل کی اصلاح کی جانب خاص توجہ دیں گے۔

جزاکم اللہ تعالی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔